مرج البحرین

از

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

مع اردو ترجمہ

ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی

جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو

ہدیہ کیا گیا۔

Marfat.com

6922

۷۸۶

مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان

الحمد للہ کہ

مرج البحرین

از

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مع اردو ترجمہ

مترجمہ

جناب ثناء الحق صاحب صدیقی ایم اے (علیگ)

ناشر

محمد اعلی 2/5 .H/III ناظم آباد کراچی

Marfat.com

اپریل ۱۹۶۸ء

ملنے کا پتہ

محمد اعلی 2/5 .III/H ناظم آباد کراچی

تعداد طبع .... ایک ہزار

135449

قیمت تین روپے

~~135450~~

مطبوعہ ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ کے سوانح و سیرت پر اہلِ علم نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کے علمی اور تجدیدی کارناموں پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے اور اس حیثیت سے ان کی سیرت کا یہ باب ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے۔ ان کے علمی اور تجدیدی کارناموں میں سے تصوف کا علمی اور عملی پہلو بھی ہے۔

شیخ موصوف طبعاً صوفی تھے۔ تصوف ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ ان کی زندگی کا بڑا قیمتی حصہ اس کی تحصیل میں گزرا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کی کوئی کتاب اور کوئی رسالہ تصوف کی چاشنی سے خالی نہیں ہے۔ تصوف کے عملی پہلو سے ان کی زندگی کا جائزہ لیں تو سرتاپا تصوف کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے اور علمی اعتبار سے ان کا نظریۂ تصوف معلوم کرنا چاہیں تو "مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین[1]" اور تحصیل التعرف فی الفقہ والتصوف[2] پڑھیں حقیقت واضح ہو جاتی ہے[3]۔

مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین، قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ

---

[1] یہ کتاب فارسی میں ہے اس کا اردو میں ترجمہ چالیس پچاس سال پہلے شائع ہوا تھا وہ ایک زمانہ سے نایاب ہے اسی وجہ سے اس کا ازسرِنو اردو میں ترجمہ کرا کر متن کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

[2] یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور ضخیم ہے اس کا ایک روٹوگراف نسخہ میرے پاس بھی ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر شیخ کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس کے نسخے رضا لائبریری رامپور، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، اور خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی نہیں ہیں۔ اس کو بھی شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام محکمہ اوقاف کو کرنا چاہئے۔

[3] قواعد الطریقہ عربی میں ہے اور ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے۔ شیخ عبدالوہاب متقی نے قواعد الطریقہ شیخ محدث کو سبقاً سبقاً پڑھائی تھی۔ موصوف کا بیان ہے: واقرأنی فی ذلک کتاب سیدی احمد بن زروق المسمی بقواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ وھو کتاب جلیل عجیب، جامع

Marfat.com

مصنفہ شیخ شہاب الدین ابو العباس احمد برنسی فارسی مالکی معروف بشیخ زروق المتوفی ۸۹۹ھ کی نہایت مفید و مختصر تلخیص ہی نہیں بلکہ اس میں فن تصوف کی وہ اہم باتیں بھی جو شیخ محدث نے "المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل" میں اپنے شیوخ طریقت کے حوالہ سے جابجا نقل کی ہیں ایک خاص ترتیب اور وضاحت سے بیان کردی ہیں۔ اس سے شیخ محدث کے نظریۂ تصوف ہی کی نہیں بلکہ شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ علی متقی برہانپوری ثم مکی کے نظریۂ تصوف کا بھی سراغ بآسانی لگایا جاسکتا ہے کیونکہ شیخ محدث انہی کے علمی اور عملی تصوف کے داعی و ترجمان اور انہی کی تعلیمات کے پیرو اور پابند تھے بلکہ نظر غائر سے اگر دیکھیں تو مرج البحرین شیخ عبدالوہاب متقی کی وصیتوں کی ترجمان اور ان کے مجمل بیانات کی تفصیل اور ان کی تعلیماتِ تصوف کا نظریاتی خاکہ ہے جس کا تذکرہ شیخ موصوف نے اپنے رسالہ "ذکر الاحوال والاقوال منبھۃ علی رعایۃ طریق الاستقامۃ والاعتدال" میں نہایت تفصیل سے کیا ہے یہ رسالہ المکاتیب والرسائل کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شیخ علی متقی کی تعلیمات نے شیخ موصوف کی علمی و عملی زندگی میں کیا انقلاب کیا اور ان کے علمی افکار میں کس قسم کی تبدیلی اور اصلاح ہوئی۔ ان کے نظریہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

بین طریقۃ الفقہ والتصوف والعلم والحال. لا ینتفع بہ الا فقیہ - محب مشرف علی الاحوال وصوفی محقق مقید بالاعمال ولا ینتفع بہ فقیہ متعسف عنید ولا صوفی متعسف مفرط بعید یحفظ کلا الجانبین ویجمع کلا الطریقین ولقد شرح اکثر مقاصد ھذا الفقیر وترجمہ بالفارسیۃ فی رسالۃ مسماۃ بمرج البحرین فی الجمع بین الطریقین۔ (یعنی: اسی سلسلہ میں موصوف نے مجھے سیدی احمد بن زروق کی کتاب جس کا نام قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ ہے پڑھائی تھی یہ بڑی عجیب کتاب ہے طریقہ فقہ و تصوف اور علم و حال کی جامع ہے۔ اس کتاب سے وہی فقیہ استفادہ کرسکتا ہے جو تصوف کا دلدادہ اور احوال کا نگراں ہو اور وہ صوفی جو محقق ہو اور اعمال کا پابند ہو، سرکش اور بے راہ رو فقیہ، کج رو اور غلو کرنے والا اور حق سے دور رہنے والا صوفی اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ دونوں جہت (فقہ و تصوف) کی محافظ اور دونوں طریقوں کی جامع ہے۔ اس کتاب کے اکثر و بیشتر مقاصد کی شرح اس فقیر نے کی ہے اور اس کا ترجمہ بھی فارسی رسالہ میں کیا جس کا نام مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین ہے۔)

Marfat.com

صوف کا مرکزی نقطہ کیا تھا۔ زندگی کے کن کن شعبوں کی اصلاح کی طرف ان کی توجہ زیادہ تر مرکوز رہی، انھوں نے کس قسم کے علما کو قابلِ اعتبار اور لائقِ اعتماد سمجھا اور ان کے کلام سے کس قسم کی باتوں کا انتخاب کیا اور کن علما کی کتابوں کے مطالعہ سے گریز کیا اور کس قسم کے کلام سے استدلال میں پہلو تہی کی، اور ان کی تصنیفات و تالیفات کا افادی پہلو کیا ہے۔

مذکورۂ بالا بیانات کی روشنی میں مرج البحرین کی افادیت و اہمیت کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے نیز یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب گیارہویں صدی ہجری کے اوائل کی تالیفات سے ہے۔

مرج البحرین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مطبوعہ کتاب کامل نہیں ہے، شیخ محدث آخر کتاب میں رقمطراز ہیں:۔ "این کلمہ 'امنا بما جاء عن اللہ ....

.... وتفاصیل آں در رسالہ کہ تالی این مقالہ گرد بیان کنیم"

افسوس ہے اس کتاب کے کسی کامل نسخے کا مجھے کہیں سراغ نہیں لگ سکا بلکہ جو مخطوطے اس کتاب کے میری نظر سے گزرے ہیں وہ بھی مطبوعہ نسخے سے زیادہ کامل نہیں ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقائد پر جو رسالہ تکمیل الایمان شیخ محدث رح سے یادگار ہے وہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔

(مولانا) محمد عبد الحلیم چشتی

۲ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

افتتاحیہ

اس کتاب کے مصنف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بعہد سلیم شاہ سوری ۹۵۸ھ ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت سیف الدین سلسلۂ قادریہ سے منسلک اور نظریہ وحدت الوجود کے حامی تھے۔ حضرت شیخ کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان ہی بزرگ باپ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ ان کے دل میں شروع ہی سے حصولِ علم کی لگن تھی۔ چنانچہ والدِ ماجد کے منع کرنے کے باوجود وہ کافی رات گئے تک مطالعہ کتب میں مشغول رہتے تھے۔ اور اپنے قیمتی وقت کو کھیل کود میں ضائع نہیں کرتے تھے۔

بیس بائیس سال کی عمر تک حضرت شیخؒ نے تحصیلِ علم دہلی میں کی۔ بعدہٗ فتحپور سیکری تشریف لے گئے اور وہاں کے علما سے فیض حاصل کیا۔ وہیں کے دورانِ قیام میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ۹۹۵ھ ۱۵۸۷ء میں حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے اور وہاں اس دور کے ایک بڑے عالم اور صاحب باطن بزرگ شیخ عبدالوہاب متقی سے اکتسابِ فیض کیا۔

دیارِ عرب سے واپسی کے بعد آپ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ اسی زمانہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے دست حق پرست پر نقشبندیہ طریقہ میں بیعت کی۔ اور اپنے علم و عمل سے حیاتِ مستعار کے آخری لمحہ تک خلقِ خدا کو فیض پہنچاتے رہے اور ایک طویل عمر پاکر مغل شہنشاہ شاہجہاں کے دورِ

حکومت میں ۲۸، ۲۹ جون ۱۶۴۲ء م ۱۰۵۲ھ کی درمیانی شب میں واصلِ رحمتِ حق ہوئے۔

وہ ایک متبحر عالم، ایک صاحب باطن بزرگ اور ایک بڑے مصنف تھے۔ انھوں نے برصغیر میں علوم کی جس منظم طریقہ پر اشاعت کی اس کی نظیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے قبل دکھائی نہیں دیتی۔ وہ پہلے عالم تھے جنھوں نے علم حدیث کو اتنی باقدگی سے اس سرزمین میں جاری کیا۔

باطنی علوم میں حضرت شیخ پر کئی قسم کے اثرات پڑے تھے۔ باپ سے وحدت الوجود کا نظریہ اخذ کیا تھا۔ شیخ عبدالوہاب متقی سے وہ سلوک حاصل ہوا تھا جو کلیتاً شریعت کا تابع تھا۔ اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی صحبت نے ان پر طریقہ نقشبندیہ کا رنگ چڑھایا تھا۔ اس طرح ان مختلف اثرات کے ملنے سے ان کے مسلک میں اعتدال و توازن کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

تصنیف و تالیف سے ان کو ابتدا ہی سے لگاؤ تھا چنانچہ انھوں نے زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی مشہور کتاب اخبار الاخیار مرتب کر لی تھی۔ اس کے علاوہ کتاب الصالحین اور چند اور رسالے مختلف موضوعات پر اسی زمانے میں تصنیف کر لئے تھے۔

تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شیخ نے پوری توجہ اسی پر مرکوز کر دی۔ اور دمِ آخر تک اس شغل کو جاری رکھا چنانچہ آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے متجاوز ہے جن میں بعض نہایت معرکہ آرا ہیں۔ لمعات اور اشعۃ اللمعات، مشکوٰۃ کی شرحیں ہیں۔ پہلی عربی زبان میں اور دوسری فارسی میں ہے، مدارج النبوۃ سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے جذب القلوب، فی دیار المحبوب، مدینہ منورہ کی تاریخ ہے۔ زاد المتقین الی طریق الیقین ان کے شیوخ و اساتذہ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اخبار الاخیار جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اولیاء اللہ کا ایک جامع تذکرہ ہے۔ مرج البحرین میں شریعت و طریقت سے متعلق بحث ہے اسی موضوع پر

Marfat.com

ایک رسالہ روضات ہے۔ اگرچہ اس کا ذکر حضرت شیخ کی فہرست تصانیف میں نہیں ملتا تاہم بعض شواہد کی بنا پر اس کو ان ہی کی تالیف سمجھنا پڑتا ہے۔

مرج البحرین جس میں شریعت و طریقت کے درمیان مطابقت تلانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے حضرت شیخ کی اعتدال پسندی کی مظہر ہے۔ اس میں انھوں نے طریقت اور شریعت کے انتہا پسندانہ نظریات کے درمیان ایک معتدل راہ دکھائی ہے اور نہایت اچھے انداز میں اور دلائل و شواہد کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شے کے مختلف پہلو ہیں۔ البتہ شریعت کو اسلئے برتری حاصل ہے کہ اس کے احکام سب کیلئے ہیں ان میں تبدیلی ممکن نہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے طریقت کے احکام سب کیلئے نہیں ہیں، اور ذوق و حال اور وجدان کے اختلاف کی بنا پر تبدیلی ہو سکتی ہے۔ یہ فرق بتا کر انھوں نے کہا ہے کہ کمال کے درجہ تک پہنچنے کیلئے دونوں کا حاصل کرنا ضروری ہے البتہ راہِ حق کے متلاشی کو "فقیہ صوفی" بننا چاہئے "صوفی فقیہ" نہیں۔ یعنی پہلے شریعت کا علم حاصل کرکے اس پر عمل پیرا ہو، بعدہٗ راہِ طریقت میں قدم رکھے۔

اس مفید کتاب کی نایابی کو دیکھتے ہوئے اسوقت نہایت صحت کے ساتھ مع اردو ترجمہ اور ضروری حواشی شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اہلِ ذوق حضرات اس کا مطالعہ دلچسپی سے کریں گے۔ اور اگر حضرت شیخ کے استدلال سے مطمئن ہو جائیں تو اس کی روشنی میں اپنے خیالات و نظریات میں ترمیم کر لیں گے۔ واللہ الموفق۔

ثناء الحق صدیقی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَاَحْزَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اما بعد می گوید فقیر حقیر عبد الحق بن سیف الدین القادری الدہلوی، این رسالہ ایست مسمّٰی بہ "مرج البحرین" و جامع الطریقین، جامع طریقہ فقہ و تصوف و شریعت و طریقت و ظاہر و باطن و صورت و معنی و قشر و لب و علم و حال و سکر و مذہب و مشرب و عقل و عشق اگر آنرا صراطِ مستقیم و طریقِ قویم نام کنند جائز باشد۔ و اگر دینِ خالص و سبیلِ اسلم لقبش نہند روا بود۔ و دعوتِ حق و منہج رشاد گویند درست افتد۔ و میزانِ عدل و دستور العمل گردانند، راست آید۔ متفقہ را از انکار مشربِ تصوف باز دارد و متصوف را در دائرۂ مذہب فقہ در آرد، و مستفید نگردد۔ بوے مکر فقیہ محب مستشرف احوال، و صوفی محقق مقید باعمال، و محروم بود از وے ہر متعسف متعصب عنید و متصوف متوغل بعید، مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ۝ شعر

Marfat.com

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

پروردگار تعالیٰ شانہ ما را و جملہ مسلمانان و یاران ما را در مقام امن و مقر سلامت نگہدارد - و بر مرکز حق و مقعد صدق ثابت دارد، و راہ راست، و دین درست و اعتقاد صحیح روزی گرداند۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ - وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَاِمَامِ الْكُلِّ وَاُسْتَاذِ الْوُجُوْدِ وَهَادِي الْخَلْقِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ -

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ ثَلٰثًا وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً مِّنْهُمْ قِيْلَ وَمَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ - یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت می کند کہ سید الانبیا و سند الاصفیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمودہ کہ امت من از انہا کہ ایمان بمن آوردہ اند، و بدین اسلام گرویدہ و روئے بقبلہ آوردہ اند ہفتاد و سہ (۷۳) گروہ شوند، ہر گروہ را اعتقادے دیگر و راہے دیگر است از انجملہ ہفتاد و دو (۷۲) فرقہ بدوزخ روند و بعلت ضلالت فساد اعتقاد و شومی عصیان و بدعت بعذاب آتش گرفتار گردند تا وقتیکہ قادر مطلق خواہد ایشانرا ازاں آلایشہا و کثافتہا پاک سازد و بہ بہشت در آرد، و یک گروہ از انہا بآتش در نرود، و از جہت عقیدہ صحیح و پیروی

راہِ راست مستحقِ عذاب نگردد۔ پرسیدند یا رسول اللہؐ ایں فرقہ کہ برہدایت باشند وبروز رخ درنیامیند، چہ کسانند۔ فرمود آنہائیکہ درمذہب واعتقاد موافق طریقۂ من واصحابِ من باشند۔

واں ہفتاد ودو فرقہ را اہلِ بدعت و ضلالت واہلِ ہوا گویند، واہلِ قبلہ نیز نامند، واہلِ قبلہ راکافر نباید گفت، وخارج ازدائرۂ اسلام نباید شمرد، ومخالفتِ ایشاں بافرقۂ ناجیہ درہمہ جانیست۔ اِلّا دربعضے مسائل وعقائد کہ درآنجا خطا کردہ وبتاویل و تغیر ظواہر نصوص ازجادۂ مستقیم منحرف گشتہ اند، وفرق میانِ کفر وضلالت برآنجملہ قیاس باید کرد کہ مثلاً جماعتے بسمت مشرق روئے آوردہ باشند یکے ازانہا دحاق وسطِ راہ برخطِ مستقیم کہ اقربِ طرق است سلوک نماید ودیگراں نیز روئے بمقصد آرند، ولیکن درچپ وراست روند ودرجانبِ جنوب وشمال افتند، گاہے چند بزنند بازرجوع بمشرق نمایند وروئے براہ آرند، بعضے قریب وبعضے بعید، وہمبریں تفاوت ازمقصد دورونزدیک افتند وباشد کہ یکے ازایشاں راہم درراہ آفتے رسد کہ بداں ہلاک گردد کہ آفت درراہ ناراست بسیار باشد ودیگرے چنداں دورافتد کہ رجوعش براہِ راست متعذر گردد، والاہمیں قدر کہ نیت مقصد وطلب مقصود دارد

آنہا اہلِ ضلالت اند کہ سالک اند ولے ہالک و راہ روانند ولے گمراہ جماعتے دیگر باشند کہ مطلق پشت بمشرق دادہ روئے بسوئے مغرب آرند ودر ہیچ جا ہیچ وجہ ایشاں را روئے بجہتِ مشرق نیاید و با قاصدانِ راہِ مشرق موافقت نیفتد۔ . . . .

. . . ایں مثالِ اہلِ کفر ست کہ در قصد و مقصد و طریق متبائن و مخالف دینِ اسلام اند۔ و اہلِ ضلالت را نیز اگرچہ گاہے در رفتار پشت بمنزلِ مقصود افتد ولیکن بعد از چند قدم یا چند میل یا چند فرسخ و منزل بالغاما بلغ اِلٰی مَاشَاءَ اللّٰہُ تعالٰی روے بقبلۂ حقیقت آید و قدم بر جادۂ مستقیم افتد۔ شعر

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ۔ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

(۱) **وصل** موجب کفر و ضلالت جز محبتِ دنیا و اتباعِ ہوائے نفس و اعتماد بر عقل نباشد۔ حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔ کہ گفتہ اند ایں ست یکے را محبت دنیا چناں غالب افتد کہ از دائرہ ایمان برآرد، و دیگرے را چنانکہ از ادائے فرائض و اتباعِ سنت و احرازِ نوافل و التزامِ استقامت باز دارد۔ بہر وجہ کہ دنیا و مال و منال، و عزت و جاہ بدست آید، ہماں کند۔ و بہر راہے کہ حصولِ آں ممکن باشد، ہماں راہ رود، و متابعتِ نفس و شیطان کند تا رفتہ رفتہ بدانشِ خود مغرور گردد، و بر عقلِ خود اعتماد نماید و کردارِ خود را خوب داند، اگرچہ کفر و معصیت بود۔ و ایں خاصیتِ نفس است کہ بہ نسبت عیب و نقصان بخود راضی نگردد و مغلوب و ملزم نشود،

Marfat.com

وبا مردم بہ حجت پیش آید، واز برائے جلبِ منفعت خود در استحلال معاصی واستحسان قبائح افتد، وبرائے تقویت وترویجِ مذہب وتحسین کردارِ خود دلائل اقامت کند وہرچہ مخالفِ ہوا وخلافِ رائے خود بیند اگرچہ آیات واحادیث بود تاویل کند وتغیر دہد تا آخر کار روبہ زندقہ والحاد باشد، وماوٰیٔ وے ہاویہ دوزخ گردد۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ۔

وسببِ حقیقی در انقطاعِ انوارِ ایمان ویقین ووقوع در ظلمات تردد وتخمین بُعدِ زمانِ نبوت ودور افتادن از مرکزِ حقیقت ومحجوب شدن از مشہد وروداِ انوارِ وحی ونزولِ قرآن ست صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین از مشاہدہ جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چناں در مقامِ کشف ویقین متمکن شدہ بودند کہ تردد وتذبذب را بحال ایشاں راہ نبود لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ از مومناں آں وقت چہ گوید کہ کافرانِ آں زماں را شک وتردد نبود کفر کافراں در آں وقت از جہت شک وتردد نبود بلکہ بعلت حسد وعناد وسابقہ شقاوتِ ازلی وتقدیرِ لم یزلی بود۔ ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ کہ سرگروہِ اشقیا ورانندۂ درگاہ بود، بارہا قرآن شنیدے وبگریستے وگفتے یقین دانم کہ ایں نہ کلام بشر وساختہ آدمیانست طرز وطرح ایں سخن از عالمِ دیگرست، اِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَاِنَّ لَهٗ لَطَلَاوَةً۔ ایں کلام را شیرینی وتازگی ہست کہ ہیچ کلام دیگر را نیست، چہ کنم کہ با وسوسۂ دیو ونفسِ کافر پس نتواں آمد، وتفاوتِ حال غیبت وحضور ہم در روز رحلت آنحضرت صلعم بظہور آمد۔ انس رضی اللہ عنہ گوید کہ ہماں روز آں حضرت صلعم

صلی اللہ علیہ وسلم از دنیا رفت، وآفتابِ جمالِ وے در پردہ شد، حال برما متغیر شد و پیش دلہائے ما پردۂ فرو ہشت کہ سر رشتۂ شناخت از دست رفت، و نورِ یقین روئے در انطفا نہاد۔ شعر

رہ ندیدم چو برفت از نظرم صورتِ دوست ہمچو چشمے کہ چراغش ز مقابل برود

ازیں بالاتر و باریک تر سخن دیگر است کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کہ اورا حنظلہ غسیل[1] الملائکہ گویند کاتبِ وحیٔ آسمانی بود بشکایت حالِ خود پیش ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آمد و فریاد بر آورد کہ نَافَقَ حَنْظَلَةُ من حنظلہ را، یعنی خود را از مومنان و مخلصان می پنداشتم آخر وے منافق صفت برآمد دلش با زبان و ظاہرش با باطن یکے نیست، و حالش بر نہجِ استقامت نہ۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ گفت حَاشَ لِلّٰہِ آخر ایں چہ سخن است وچہ می گوئی وکیفیتِ حال چیست ومقصود چہ؟ گفت وقتے کہ در حضرت رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم، وجمال وے را ببینیم وسخن وے را بشنویم، نورِ یقیں چناں جلوہ گر شود کہ گویا حقیقت را بچشمِ سر می بینیم وبہشت ودوزخ مشاہدہ می کنیم، باز چوں از پیشِ وے بیروں رویم وباہل واولاد مخالطت نمائیم وبر اسباب وآلات نظر افگنیم، حال بگردد وسر رشتہ گم شود وبسیارے از آنچہ یاد بود فراموش گردد۔ بنگر کہ ابو بکر صدیقؓ کہ اول مومنان وبہترِ صدیقاں است در برابر آں چہ می گوید گفت: اے برادر تو چہ گوئی کہ مارا نیز حال ہمبریں منوال است۔ پس حنظلہؓ با ابو بکرؓ در مشہدِ حضورم کہ

---

[1] بعضے گفتہ اند کہ حنظلہؓ غسیل الملائکہ غیر کاتبِ وحی است۔

عبارت از مجلس پُر نور سیدِ کائنات است صلی اللہ علیہ وسلم حاضر آمدہ ، حال را با حضرتؐ عرض نمودہ فرمود: غم مخور و اندیشہ مکن کہ حقیقتِ حال و خاصیتِ غیبت و حضور ہمیں است ، اگر دائم بریں حال باشید کہ در حضرتؐ می آئید، حقیقت را علانیہ دریابید و با ملائکہ مصافحہ کنید بیناید و می یابید

اگر درویش بر یک حال ماندے   سر و دست از دو عالم بر فشاندے

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اکنوں معلوم شد کہ احوالِ اصحاب کہ مقربانِ درگاہ و سر حلقۂ عارفاں آگاہ اند بحسب غیبت و حضور نورِ نبوت متغیر و متفاوت بود چہ جائے دیگراں ۔ اما دریں جا سخنے دیگر و نزاکتے دیگر است کہ خیال نکنند کہ اصل یقین و اعتقاد ایشاں قصورے داشت یا فتور می پذیرفت ، تفاوت در کیفیتِ مشہود و کثافت و لطافتِ حجاب است ، آخر دیوار حجاب است و شیشہ نیز حجاب ۔

اما آں بدین کے ماند ، آنکہ با محبوب در یک خانہ است شبِ تاریک و روز روشن در اصل یقینِ قلبی وے یک حکم دارد ۔ تفاوت اگر ہست در کیفیت یقین خواہد بود تا صبح صادق بدمد و آفتاب برآید و روز روشن پیدا گردد ایں جا حالے دیگر و مشاہدہ دیگر باشد ۔ اما اصل یقین ہماں است کہ بود آخر بہ بیں کہ علی مرتضیٰؓ کہ شاہِ اولیا و امامِ اصفیا و استاذ اہلِ کشف و یقین است چہ می فرماید: لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا ۔ فرمود پردہ باشد یا نباشد ، یقینِ من یکے است ۔ مگر اشارت بہمیں معنی می کند کہ گفتہ شد یعنی

ہر چند پردہ درمیان ست ولیکن من در پردہ چناں بینم کہ گویا پردہ نیست، آخر این پردہ اگر نباشد و حقیقت بے پردہ ظہور کند، نہ علم بود و نہ کشف، و نہ خبر ماند و نہ اثر۔ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْہِہٖ خواندہ باشی کہ چیست ؎

(۲) ہست از پسِ پردہ گفت و گوئے من و تو چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

(۱) اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من
(۱) ایں حرف معما نہ تو خوانی و نہ من

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

(۲) وصل تا بعد از قرنِ صحابہؓ و دو قرنِ دیگر کہ ایشاں را تابعین و تبع تابعین گویند، و مصدوق و محکوم حدیث خیر القرون اند، بحکم .... حدیث کہ فرمودہ است[۳]، ثُمَّ یَفْشُو الْکَذِبُ۔ نزاع و اختلافات درمیان آمد و بخارات حیرتِ مذموم متصاعد شد، و چون و چرائے پیدا گشت، و نورِ سنت انطفا پذیرفت، و ظلماتِ بدعت عالم را در گرفت۔ ہر یکے را ہوائے دیگر در سر افتاد، و رائے دیگر در دل نشست، و ابوابِ تاویل مفتوح شد، و ظواہر نصوص متروک گشت، و طریق صحابہ رضوان اللہ علیہم و مذہبِ سلف عزیز الوجود و غریب آمد کہ اَلْاِیْمَانُ بَدَاَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ۔ و سخت ترین حادثہ و صعب ترین نازلہ کہ در دینِ اسلام و اعتقادِ سلف افتاد، ظہورِ علمِ فلسفہ و ترجمۂ وے بلفظِ عربی بود کہ در زمان بعضے خلفائے عباسیہ واقع شد، و مخالفان را دست آویزی و دشمنان را آلتِ حرب بہم رسید۔ بعضے بحرص و شرہ علم و دانش کہ نفسِ ناطقہ انسانی بر آں مجبول است، خصوصاً در علوم غریب جدید، و بعضے بقصد افساد عقائدِ اسلام، و ہدم قواعدِ ملت، در آں علومِ بدعت خوض کردند و توغل نمودند

Marfat.com

جمعے از علمائے دین و اساطینِ ملت بقصد حراست مذہب سلف و پاسبانی سنت، در مقامِ اثباتِ عقائد شرعیہ و ردّ و ابطالِ فلسفیات ایستادند، ولابد ایشاں را دانستنِ آں علوم بتفصیل از ضروریاتِ وقت افتاد، چہ ردّ و انکار چیزے بے دانستنِ آں چیز صورتِ امکان نہ بندد۔ پس فلسفیات شائع شد و دائرہ کلام و جدال و قیل و قال وسعت پذیرفت و بازارِ سخن گرم آمد و علمِ کلام پیدا شد، و پیشِ ازیں نیز علمِ کلام پیدا شدہ بود، ولیکن سخن دراں مخصوص بسمعیات بود و خلاف در وے با فِرَقِ اسلامیہ بود کہ مخالفتِ اعتقادِ اہلِ سنت و جماعت کردہ بودند۔

وحارث محاسبیؒ کہ از متقدمین فقہا و مشائخ طریقت بود، در وے تصنیف کرد۔ و امام احمد بن محمد بن حنبلؒ با وے بجہت ایں تصنیف و فتح باب جدال و توسیع دائرہ قیل و قال نقارے پیدا کرد، و ترک صحبتِ وے دارد۔ و از متاخرین آنکہ در خوض فلسفیات غلو کرد و ابطال آں نمودہ وسدِ راہِ یاجوجِ فتنہ شد، امام فخر الدین محمد رازیؒ بود کہ مصادمت و مقاومت غریب با حکما نمودہ اگرچہ در بعضے مباحث مکابرہ و مجادلہ نیز راہ یافتہ باشد، اما چوں نیتش بخیر است عاقبتش بخیر باد۔ و با وجود آں بعضے از اربابِ کشف کہ بصحبتِ معنوی حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مشرف شدند، و از حقیقتِ حال فخر رازیؒ از حضرتش استفسار نمودند۔ فرمودند: ذٰلِكَ رَجُلٌ مُعَاتَبٌ۔ وچوں از حال ابو علی بن سینا پرسیدند۔ فرمودند: ذٰلِكَ رَجُلٌ اَضَلَّ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ۔

Marfat.com

و در شان شہاب الدین مقتول فرمود: هُوَ مِنْ مُتَّبِعِيْهِ۔ یعنی وے نیز از تابعان و پیروان ابوعلی بن سیناست۔ واللہ اعلم

و امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نیز در اوائلِ عمر بر طریقۂ فقہا و متکلمین بود و در آخر براہ ترک و تجرید درآمدہ در طریقۂ تصوف قدم نہاد و از محققینِ علمائے این طائفہ شد و ملقب بحجۃ الاسلام گشت، و کتبِ بسیار در علمِ تصوف تصنیف کرد۔ چوں از حقیقتِ حال وے پرسیدند۔ فرمود: ذٰلِكَ رَجُلٌ وَصَلَ اِلٰی مَقْصُوْدِهٖ۔ ہنوز گفتہ اند کہ فرق است میانِ آں کہ گویند وَصَلَ اِلَی الْمَقْصُوْدِ۔ یا۔ وَصَلَ اِلٰی مَقْصُوْدِهٖ۔

و بالجملہ خوضِ اہلِ اسلام و اربابِ علمِ کلام در فلسفیات ہر چند بقصد ردّ و ابطالِ اہلِ زیغ و نفع اہلِ حق بود، ولیکن در ضمن آں ضررے عظیم بایشاں نیز عائد شد و موجبِ تذبذب عقائد و تزلزلِ مرقواعدِ دین آمد و سبب فتح باب تشکیک و تردید گشت، کم کسے باشد۔ کہ بعد از خوض و غلو دریں علم از ورطۂ حیرت بسلامت برآید، و سرمایۂ یقین از دست ندہد۔ اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ وَذٰلِكَ نَادِرٌ۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

(۳) وصل سبیلِ سالکِ راہِ سلامت و طالبِ طریقِ استقامت آنکہ خوض در فلسفیات و اشتغال بداں حرام داند، و از غلو در مباحث و دلائلِ کلامیہ اجتناب نماید، و در تفصیل قیل و قال اہلِ بحث و جدال در نیفتد و بمجرد عقائد اہلِ سنت و جماعت و دلائلِ اجمالیہ آں اکتفا نماید، و ایں اعتقاد را بخود درست کند و راسخ گرداند، و عقل را در کار و بارِ شریعت و

Marfat.com

واحکام کتاب وسنت معزول سازد، ومنقول را تابع معقول ندارد، وابواب
تاویل وتشکیک بربندد، وازراهِ اعتقاد واتباع بیروں نیفتد، وبرفہم قاصر
وعقلِ ناقص خود اعتماد نکند کہ ہر کہ بوادیٔ ضلالت افتاد از اعتماد بر عقل و
اعجاب واستبداد رائے افتاد اگر عقل در معرفت اسرارِ غیب وصلاح و
فسادِ مبدأ ومعاد، استقلال واستبداد می داشت۔ ارسالِ انبیا وبعثتِ
رسل برائے چہ بودے، غایتِ کار عقل وحکمت در آفرینشِ وے ہمیں است
کہ فہمِ اوامر ونواہیِ الٰہی وتحمل امانت تکالیفِ شرعیہ بکند، عقل ہا لیے کیست
کہ تفصیلِ احوالِ آخرت، وکیفیتِ اسرارِ اعمال ومقادیر وہیئات وتعینِ
اوقات وخصوصیات جزائے آں بے واسطۂ وحیٔ آسمانی تواند دریافت،
اینجا کشف ووجدان سراسیمہ وحیران است، عقلِ خود کدام است ہمچنانکہ
حس در ادراک مدرکات عقل بیکار است، عقل در دریافتِ مضمراتِ کشف
معزول، ہمچنیں کشف در احاطۂ اسرارِ وحی وایمان بے دخل در طورِ ایمان
چیزہا معلوم گردد کہ بقوتِ کشف ووجدان دریافتہ نشود، از عقل خود چہ
گویند۔ ظاہر ترین موجودات محسوسات است، وروشن ترین محسوسات
اجسام۔ وتمامہ عقلاء از متکلمین وحکما در دریافت حقیقتِ آں سرگردانند
وبتحقیقِ در نیافتہ کہ حقیقتِ جسم چیست وترکیبِ او از چہ۔ وقریب ترین اشیاء
بآدمی ہستیٔ وے ولطیفۂ انانیتِ اوست کہ بداں اشارت بانا می کند و
می گوید من کردم، ومن گفتم، ومن دیدم۔ ہیچ عاقلے بحقیقتِ آں پے نبردہ
کہ ایں کیست وچیست کہ می گوید من کردم ومن گفتم از یں جا گفتہ است ؎

آنکه خود را شناخت نتواند | آفریننده را کجا داند
تو کہ در ذاتِ خود زبوں باشی | عارفِ کردگار چوں باشی

اگر بجہتِ کمالِ ظہورِ نورِ ہستی حق و وجود آثار صنع وے مجملاً بوجودِ وے تعالیٰ وصفات وے عقل پے برد، دُور نباشد۔ ولیکن تفصیلِ صفات و افعال و آثار وے تعالیٰ و تقدّس دریں عالم و در عالمِ دیگر کہ بے حدّ و اندازہ است جز باخبارِ رسل صلوات اللہ علیہم اجمعین نتواں دانست۔

عقل را در طورِ نبوت گوش باید بود و چشم بستہ خاموش باید نشست، تا چہ فرمان رسد و چہ خبر دہد۔ اگر گوش باشد بس است چشم اگر نباشد گو مباش۔ ازیں جاست کہ علما گوش را بر چشم فضیلت نہادہ اند کہ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَہِیْدٌ۔

تا گہر وصفِ ترا شد صدف | سامعہ بر باصرہ دارد شرف

عقل بمثابہ چراغیست کہ بداں راہ را از چاہ بدانند و کارِ چراغ آں بود کہ راہے نمودہ اند و نشانہا دادہ بداں بہ بینند و بر اثر نشانہا بروند، نہ آنکہ راہ را از خود پیدا کنند و اختراع نماید۔ ایں کار ہرگز از چراغ نیاید راہ ہمانست کہ قرار دادہ اند، و نشانہائے آں نمودہ دیگر نمی شود، و اگر نقل را تابع عقل گردانند، و ہرچہ بفہم در نیاید و عقل بداں نرسد، آنرا تاویل کنند و بموجب آں قائل نشوند و اعتقادِ بداں نیارند۔ اگر نیک در روند، ایں عین تکذیب و انکار است، پس ایمان کجا و اسلام کہ معنی آں قبول و انقیاد است گو لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ، ذرہ با آفتاب و قطرہ با دریا و جزو با کل و محکوم با حاکم و بندہ با

پروردگار در برابر می افتد و می گوید تو کئی و چه چیزی که من نیستم زہے فہم و زہے عقل، اگر بادشاہے از بادشاہانِ دنیا حکمے کند و چیزے دہد و گوید کہ ایں حکم معقول ما نمی افتد، و ایں چیز نزد ما راست نمی آید، کسے تواند گفت، حَاشَا وَکَلَّا۔ و اگر گوید داد مخالفت و انکار خود داده باشد، ایں ادب کہ تسلیم و ترک اعتراض است اُستاد و مرشد قرار داده اند چہ با خدا و رسولِ خدا ہرچہ فرماید بسمع و طاعت باید شنید و بقلب و جوارح بداں گردید، و عمل کرد تا خود نور ہدایت و عنایت در باطن پرتو اندازد و ظلمت شک و ارتیاب از میان بردارد۔ شعر

ہرچہ نماید کہ بکن آں بکن — و آنچہ بگوید کہ نگو آں نگو

با سخنِ او ہمہ تن گوش باش — وسوسہ بگذار و زشیطاں نگو

(۴) وصل اگر گویند کہ ایں سخن کہ تو می گوئی مخالفِ نقل علما و مصادم مذہب اہلِ حق است آخر نہ در فضیلتِ عقل آمدہ است کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ۔ (الحدیث)۔ آں حدیث خبر می دہد کہ اول و افضل مخلوقات عقل است و مدارِ کار بر اوست، و خطاب و عتاب با او و آں ہمہ گفت و شنید و چندیں آیات و احادیث را علما بمخالفتِ حکم عقل تاویل و صرف از ظاہر کردہ و بر موافقت مقتضائے عقل و معقول فرود آوردہ اند و مذہب اہلِ حق کہ تو در مقام تقویت آنی و اثبات آں می نمائی خود آنست کہ عقل یکے از اسبابِ علم است، و بفکر و دلالتِ عقل چیزہا معلوم گردد و آنرا کہ عقل در کارخانۂ الٰہی معزول و مردود مطلق باشد و ہیچ چیز بوے معلوم نگردد

Marfat.com

سخن باطل ومذہب اہلِ زیغ شمردہ اند۔ جوابش آں ست کہ حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلُ۔ کہ تو آوردۂ مراد بعقل دریں جا مخلوق اول وموجود ثانی است کہ آنرا عقل اول وروح اعظم وقلم اعلیٰ گویند۔ وآں خود بدریافت اربابِ کشف ووجدان واعتقادِ اہلِ دین وایمان عین حقیقتِ محمدی و وروح اقدس آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم کہ دراں نشأۃ درعالمِ امر نبیؐ الانبیا ومربی ارواح بود وبعد از ظہور نشأۃ عنصریہ خلقیہ ہماں جوہرِ کل ببدن شریفش متعلق شدہ ومدبر ومتصرف آمدہ تکمیل وارشادِ اہلِ عالم کرد۔ ایں خود موافقِ مقصود بلکہ عینِ مدعائے ما آمد، چہ ایں ارواح و عقولِ جزئیہ کہ متعلق بابدانِ افرادِ انسانی است ہمہ مستفیض مقتبس ازاں عقلِ کل وروحِ اعظم اند کہ معدنِ فیوض ومنبعِ انوار است، ودر حقیقت اَشِعَّۃ از لمعاتِ نورِ اویند بر مثال دیدہا نسبت بجرم آفتاب کہ تا نورِ آفتاب نتابد وپرتو نیندازد نورِ بینش در دیدہ پیدا نشود، وچیزے نماید۔ پس معارضہ وممانعہ عقول با نورِ نبوت معقول نباشد۔ چنانچہ معارضہ دیدہ با آفتاب صورتِ امکان نہ پذیرد، وباقطع نظر ازاں در فضیلت واعتبارِ عقل کسے را سخن نیست کہ مدارِ کار بفہم خطاب واستحقاق ثواب وعقاب براوست ومعرفتِ طرق وقواعدِ صلاح وفساد، معاش ومعاد، بتعریف صاحبِ شریعت مراد است وچندیں آیات واحادیث واخبار وآثار در فضل ومزیتِ وے واردشدہ، تا بعضے مردم اورا بر علم فضیلت نہادہ اند، وترجیح دادہ، وبعد از تحقیق نزاع شاید کہ حق نیز ہمیں باشد وآخر در معرفتِ

135449

شناختِ الٰہی تعالیٰ و وصولِ بندہ بجنابِ احدیت ہمیں دو طریق است، ذکر است یا فکر۔ بعضے فکر را اصل نہادہ اند و دستورِ دیوانِ معرفت داشتہ کہ تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ۔ وجائے دیگر فرمودہ: مِنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةً۔ ایں تفاوت بحسبِ تفاوتِ درجاتِ فکر است۔ تا فکر ہر کس در کجا بود۔ مولانا روم می فرماید قدس سرہ ؎

فکر اگر جامد بود رو ذکر کن
ایں قدر گفتیم باقی فکر کن

گفتہ اند کہ ذکر عاشق سازد و فکر عارف گرداند و طائفۂ دیگر ذکر را افضل و اشرف داشتہ اند، زیراکہ وے صفتِ حق است تعالیٰ و تقدس فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ۔ و فکر صفتِ بندہ است و لابد ہر چہ صفتِ مولیٰ باشد افضل باشد، ازاں چہ صفتِ بندہ است۔ و نیز ذکر متعلق بذاتِ حق باشد کہ اُذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ و فکر در صفاتِ وے تعالیٰ رود کہ تَفَکَّرُوْا فِی الْآلَاءِ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِیْ ذَاتِهٖ۔ و بالجملہ راہ بے فکر کشادہ نگردد، و فکر خود کارِ عقل است، پس عقل را در معرفتِ صانع تعالیٰ مدخلے تمام و پایۂ ارجمند باشد و لیکن مقصود آنست کہ عقل در کار و بارِ دین و وصول بمرتبۂ حق الیقین مستبد و مستقل نیست۔ و با وحیِ آسمانی معارض و با حکمِ شارع معادل و مقابل نہ علم دارد، اما بہ تعلیم شرع معرفت دارد، و لیکن بتعریفِ وے تفکر باید کرد، در آنچہ فرمودہ است بر طریقے کہ فرمودہ و با ادبے کہ نمودہ است۔ آخر مراتبِ تفاوت اہلِ تقلید و تحقیق باقی ست فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

Marfat.com

وتصرف وتاویلِ علماء درآیات واحادیث وتطبیق آں بمعقول ہم ازیں باب است. آں معقول کہ منقول رابداں تطبیق نمایند معقولیست کہ بہ تتبع قوانینِ شرع واحکامِ دین معلوم ومقرر شدہ است. والا بمعقول صرف یعنی آنچہ بفہمِ قاصر وعقلِ ناقص یاد درآید۔ توقف در خبرِ شارع واعتقادِ آں کہ در باطن متضمنِ نفاق وانکار است نامعقول باشد. ایں متفلسفان کہ درابتدائے حال بہ تمویہاتِ فلسفہ عادت کردند ہرگز مسلمان صادق نشوند ودر مضمرِ سر بدینِ خالص کہ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ نکردند نعوذُ باللّٰہِ مِن ذٰلِکَ وبتقریرے کہ کردہ شد معلوم شد کہ آنچہ گفتہ اند کہ مذہب اہلِ حق آن ست کہ عقل از اسبابِ علم است منافات بمقصود ندارد۔ واللّٰہ اعلم وعلمہ احکم۔

(۵) **وصل** وآنکہ گویند عقل باید تا بداں صدق نبی بنظر وفکر در معجزاتِ وے دریابند وجز بعقل آنرا درنتواں یافت۔ پس عقل اصل باشد، لا واللّٰہ ہدایت باید، ونورِ توفیق باید تا دریابد، ومنزلِ مقصود رساند۔ والا چندیں کفارِ قریش عقلا بودند کہ درکاروبارِ خود موئے شگافی می کردند، باوجود مشاہدۂ انوار معجزات بینات صدق نبی را درنیافتند، واگر دریافتند بحسد وتکبر وعناد براہ کفر وتکذیب رفتند، چرا بعقل قباحتِ حسد وتکبر وعناد وخامتِ عاقبت آں را وطریقِ اجتناب ازاں درنیافتند، وبداں راہ نہ رفتند۔ وچرا بعقل وفرزانگی خود تدبیرے نکردند وقانونے نہ بستند۔ کہ قاعدۂ دین وملتِ آبا واجدادِ ایشاں کہ قرنہا برآں گذشتہ بود برنمی افتاد وغیرِ ایشاں چہ دراں زمان وچہ بعدازاں چندیں عقلا وحکما وامراء وسلاطین کہ دبدبہ

کوش حکمت و سلطنتِ ایشاں بفلک می رفت۔ چرا بزورِ عقل و دانش مانع از ظهورِ دین و ملتِ اسلام نیامدند۔ و اگر بعضے از ایشاں بغرورِ نفس و غلبهٔ هوا ایں هوس کردند، و با خود ایں خیالِ محال بر بستند و قواعد و قوانین اختراع نمودند۔ چرا آں قواعد و قوانین بعد از ایشاں باقی نماند و رواج نیافت۔ ازیں جا معلوم شود که نبوت دیگر است و سلطنت دیگر۔ ایں سخن در رسالهٔ دیگر که در باب اثباتِ نبوت نوشته شود۔ بگوئیم اثباتِ نبوت چه باشد۔ کیست که نبوت را ثابت گرداند، نبوت همه را ثابت می گرداند۔ ایں سخن همچنیں زبان زدِ عرف و عادت شده است چنانکه اثبات واجب گویند، مقصود خود معلوم است که چیست۔ و لیکن سخن بر زعمِ عقل و عقلاء مجنونانه می رود، معذور دارند۔

ترسم که سخن دراز کشد و از مقصود دور افتم۔ مقصود آن ست که عقل نعمتے است که شکرانهٔ آں نعمت باید گزارد، و شکرِ نعمتِ عقل آن ست که وے را بے تردد و تفکر در تصدیقِ رسولؐ و امتثالِ امرِ وے کار فرمایند، و معارض و مخالفِ آں دم نزنند، و از سعادتِ ایمان محروم نمانند۔ زهے حرمان و بے نصیبی که خوانِ الوانِ نعمت کشیده و در پیش یکے نهاده باشند، و وے در شک و تردد و بحث و جدال در افتد که حقیقت ایں طعام چیست، و آنرا که آورده و از کجا آورده، و وے سیرے می بخشد یا نه، حقیقی دارد یا نه، هم دریں سودا و خیال در ماند دیگراں بیایند و بخورند، و حظے وافر ازاں بردارند، و وے محروم ماند، و هم گرسنه بمیرد، و یا آفتاب طالع شود، و بنورِ خود عالم را

فراگیرد، و یکے چشم بپوشد، و در بحث و تفتیش ایں بماند که ایں نور وے از کجاست، و حق است یا باطل، و حقیقت ست یا خیال، و بداں نور عالم گیر مستنیر نگردد، و ہم در ظلمت آباد، وہم راہ گم کند، و در چاہ حسرت و خذلان جان دہد ایں چہ عقل است و چہ خرد، دیوانگی بہتر از آن ست ؎

زیں خرد بیگانہ می باید شدن　　دست در دیوانگی باید زدن

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازیں دیوانہ خواہم خویش را

(۶) **وصل** و اگر عقل در ادراکِ حقائقِ اشیا و معرفتِ احوال موجودات مستقل است۔ چرا تمامہ عقلائے عالم در معرفتِ اسباب خاصیتہائے اشیاء مثل جذب کاہ ربا و اسہالِ سقمونیا و امثال آں معترف بعجز و نادانی آمدہ اند ..... و آں را مقتضائے صورتِ نوعیہ گفتہ، بے آنکہ تعین و تشخیصِ آں تواند کرد۔ ایں چہ سخن است ایں علم مگر تلافی جہل سابق می کند۔ بگو کہ خدا ش چنیں آفریدہ است، و ایں خاصیت در وے نہادہ، دیگر سخن چیست و اگر خبرے و اثرے دریں باب از فرستادۂ وے داری، آنرا بر خوان و بداں اعتقاد کن و فضول عقل را بگذار، و ہمچنیں کہ دریں جا بعجز و نادانی اعتراف کردی در ہمہ جا ہمچنیں کن۔ بیچارہ سلمان شاعر کہ در نام و وطن یاد از سلمان فارسی می دہد، رضی اللہ عنہ چہ خوش می گوید ؎

وَمَا اُوْتِیْتُمْ می خوانی و می گوئی کہ می دانم　　علومِ غیب اگر ہستی علوم غیب را دانا

بگو تا فتنہ بر آتش چرا گر دید پروانہ　　بگو تا عاشقِ خورشید رخشاں از چہ شد حربا

ایں سلمان فارسی رضی زیادہ از دوصد و پنجاہ سال بشنیدنِ خبرے

Marfat.com

درطلب پیغمبر آخرالزماں برآمد و عالم رانگشت و در دین ہائے مختلف درآمد، و در بند یہود و نصاری در افتاد و چند جا فروختہ شد، تا آخر روئے مقصود دید، سبحان اللہ وے بشنیدنِ یک خبر ایں چنیں والہ و حیران شد، اکنوں صد ہزار در صد ہزار خبر بر روئے کار است و ہیچکس گوش نمی نہد و یکقدم پیشتر نمی زند، زہے غفلت۔ سلمانؓ بندۂ است و لے داغِ غیرت و حسرت بر جگر تمامۂ فارسیاں نہادہ است۔ اگرچہ نوشیرواں و خسرو باشد ازاں جانب کوکبۂ صہیبؓ رومی قیصر روم را بر شک دارد۔ بلالِ حبشیؓ را خود چہ گویم کہ خال رخسارۂ دین اسلام است۔ سیدِ کائنات می فرماید صلی اللہ علیہ وسلم: اَلسُّبَّاقُ اَرْبَعَۃٌ اَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ۔ الحدیث۔ می فرماید، کہ سابقانِ ایں راہ کہ پیش از خواندن بدرگاہ آیند کہ مِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ چہار اند یکے من کہ از سابقان عربم دیگر سلمانؓ کہ از سابق فرس است دیگر صہیبؓ از روم و بلالؓ از حبش۔ رُوْحِيْ فِدَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ ایں چہ سخن است و ایں چہ رحمت و تواضع و تشریف و اکرام است کہ فقرا و غربا را می دہی و خود را از ایشاں می شماری تو سابق ہمہ سابقانی تو جان ہر جانی، ترا با کسے چہ نسبت و کسے را با تو چہ شرکت، مگر از جانب پروردگار خود ماموری کہ صحبت با فقراء داری و با ایشاں باشی و با ایشاں نشینی کہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ۔

ہلا خوش باش کان محبوب جاں را | بدرویشاں و مسکیناں سرے است

خداوندا کہ او را از قدر و عزتِ فقرا چہ نمودہ بودند کہ ایں ہمہ رعایتِ خاطر

ایشاں می نمود۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یکبارے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ با یکے
از ایشاں نزاع کرد، و سخن سخت گفت۔ پس در حضرت آمد و قصہ باز گفت،
فرمود: اَدْرِکْ اَدْرِکْ یَا اَبَا بَکْرٍ، زود برو، و خاطرِ ایشاں دریاب، و عذر
خواہی کن، و آمرزش خواہ، اگر تو یکے از اینہا را رنجانیدے، بہ یقین خدائے
عرشِ عظیم را رنجانیدی۔ سلمان را اگر می پرسیدند نسبِ تو چیست؟ گفتے
نسبِ من اسلام۔ و اگر می گفتند پدرِ تو کیست؟ گفتے پدرِ من اسلام،
چوں دینِ من اسلام است ہمہ چیز من اسلام است۔ آخر دین از مادر و
پدر و برادر و از ہر کہ گوید عزیز تر قریب تر است۔ چندیں کس از اصحاب پدراں
را و برادران را و خویشان را از جہت دینِ اسلام کشتند و دادِ عشق و
محبت دادند۔ ایں چنیں باش تا بہرہ یابی دیگروئے شوی۔ پس در حقِ سلمانؓ
خبر چنیں آمد کہ لَوْ کَانَ الْعِلْمُ اَوِ الدِّیْنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَا رَجُلٌ اَوْ
رِجَالٌ مِّنْ فَارِسٍ۔ اگر روایت رجل است مراد بدان سلمان ست،
و اگر رجال اشارت باو و بامثالِ اوست تو نیز بندۂ بیا و ایمان آر و اعتقاد
نگاہ دار وے ہمہ چیز را بتو تعلیم خواہد کرد۔ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ اَوْرَثَہُ اللّٰہُ
عِلْمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔

ایں ہمہ کہ دانستۂ مگر بے تعلیم او دانستۂ، بعد از تعلیم وے
معلوم شود کہ ایں امر معقول و ممکن بودہ است و بے تعلیم و تعریف وے
محال نماید محال ہماں ست کہ وے تعلیم نکردہ و فہم آں نہ بخشیدہ۔ پس
مردم از دانستنِ آں نا امید نشستند و آنرا محال دانستند نا امید منشیں کہ

Marfat.com

اگر خود را بوے سپردۂ او ہمہ را بتو تعلیم خواہد کرد، ولیکن بر قدر استعداد و قابلیت کہ ایں استعداد و قابلیت را ہم وے ساختہ و جعل نمودہ نہ مقتضائے ماہیت یا تابع مزاج و طبیعت است از ایں جا باز راہ بظلمت آبادِ فلسفہ می رو د نیکو بایست تا آوارہ نشوی، دائم در مقابلۂ آفتاب نبوت و بابِ رحمت سر فرو د افگندہ بنشیں، و بزبانِ حال یا قال بتضرّع و ابتہال اقتباس انوار بنما نورے از انجا در دلِ تو خواہد افتاد کہ ساحتِ سینہ بداں روشن شود۔ و در روشنائی آں صورتہائے غیبی ایمانی بنماید۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔ کسے در مقابلۂ آفتاب بنشیند و روشن نگردد و گرم نشود چہ صورت دارد ایں آفتاب اگر خواہد چنداں گرمی کند کہ آتش گردد، و ہر چہ ماسوای اوست بسوزد و خاکستر گرداند۔ آں زماں معلوم شود کہ حجت و تاویل کہ در نورانیتِ آفتاب و سطوت و جلال وے می کردند کجا رفت ؎

مصطفٰے اندر میاں آنگہ کسے گوید زعقل ‎ ‎ ‎ آفتاب اندر جہاں آنکہ کسے جوید سہا

(۷) وصل سخن دراز شد و بجائے دیگر افتاد و رنگِ دیگر پیدا کرد و نورانیتِ دیگر یافت، مگر مطلع صاف شد و خورشید حقیقت گوشہ ابرو نمود و توجہ راست نشست۔ ایں ہمہ از فروغ آں نور دان کہ از روزنِ خیال پر توِ انداختہ، و ساحتِ سینہ را روشن ساختہ است، ایں نور را بدیدۂ دل تواں یافت، و بچشمِ سر نتواں دید و لیکن بغلبۂ حال چناں نماید کہ گویا بچشمِ سر می بیند و ازیں جاست اشتباہ بعضے از محجوباں اہلِ زبان

کہ می گویند حقیقت را بچشم سر می بینیم و دیگران را نیز می نمائیم تعالی اللہ ہیچ یکے از پیشینیان باین رسوائی سخن نکردہ است، و فی الحقیقت سخن ہمان ست کہ محققان از ارباب تمکین قرار دادہ اند و قانون بستہ دیگر ہمہ یا غلبہ است یا ادعا۔ در تعرف می گوید کہ لَمۡ یَذۡهَبۡ اِلٰی اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی مَرۡئِیٌّ بِالۡبَصَرِ فِی الدُّنۡیَا اِلَّا شِرۡذِمَۃٌ قَلِیۡلَۃٌ مِّنَ الۡمُتَصَوِّفَۃِ لَا یُعۡبَأُ بِھِمۡ۔ فرمود کہ بدیدن خدائے پاک بے مثل و مانند در دنیا بچشم سر ہیچ کس از مشائخ طریقت نرفتہ، مگر چندے از مدعیان این راہ کہ سخن ایشان اعتبار را نشاید، می گویند کہ سالک این راہ بجائے می رسد کہ بصر و بصیرت یکے گردد، وظاہر با باطن یک رنگ شود، و امتیاز صورت و معنی از میان برافتد، آں زمان خواہ بگو کہ بدیدہ دل می بینم یا بچشم سر۔ حاصل ہر دو عبارت یکے است و اللہ اعلم کہ این چہ اشارت ست کہ ایشان می کنند حقیقت حال را ایشان دانند کہ گفتہ اند و دریافتہ، ولیکن چنیں دانم کہ وجود این مرتبہ عزیز و نادر است، یکے بمجرد اعتقاد مذہب اہل وحدت وجود و تخیل معنی توحید و فہم سخنان ایشان سخنے می گوید یا بقدرے از صفائی ذکر و روشنائی باطن کہ بہم رسیدہ رشاشہ یعنی چکید گی چشمہ از منبع حال انصباب یافتہ، ادعا می نماید۔ اینہا آسان ست ولے آنکہ سخن بغلبۂ قہرمان حال و سطوت سلطان وقت برآید۔ آنرا تاثیرے دیگر و عزتے دیگر است و با وجود آں حق ہمان ست کہ مکاشفان سر حقیقت و متوطنان مقام تمکین کہ قوت مزاجیہ علم و حال ایشان باعتدال حقیقی رسیدہ است۔ و ہمین

ورقیبِ احوال ومقامات گشتہ قرار دادہ اند۔

از شیخ ما غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ منقول است کہ مریدے از مریدانِ ایشاں دعوی کرد کہ من خدا را بچشمِ سر می بینم۔ این حکایت چوں بحضرتِ وے رسید منع کرد و زجر نمودہ تا باز ازیں مقولہ دم نزند و ایں چنیں نگوید گفتند مع وزجر ونصیحت بابے دیگر است سوال از آنست کہ وے دریں دعوی محق است یا مبطل فرمودے محق مشتبہ است او بدریافت خود راست می گوید ولیکن او را در اطلاع برحقیقتِ حال اشتباہ شدہ است وسر کار رو در نیافتہ۔ وے حقیقت را بچشمِ بصیرت دیدہ است، واز بصیرت وے روزنے بجانبِ بصرِ وے کشادہ گشتہ۔ درحقیقت نظرِ بصرِ وے بربصیرت افتادہ گمان برد کہ مگر ببصر می بیند۔ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ این کلمہ از اں حضرت گفتن بود وحاضراں را بصعقہ وصیحہ افتادن و دیوانہ شدن و راہِ صحرا گرفتن، وسخن کہ از حقیقت برآید، وے را ایں تاثیر است وحکایتِ ادعائے ہماں حال دارد کہ یَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ۔

(۸) **وصل** بار دیگر سر رشتۂ سخن از دست رفت واز مقصود دور افتادم اگرچہ درحقیقتِ حجّت نزدیک بمقصود آمدہ بلکہ درعینِ مقصود افتادہ ام، اگر نظر باصطلاح اہلِ صناعت تصنیف اتساقِ کلام وانتظامِ سخن از دست رود، گو کہ عنانِ اختیار بدست نیست ازیں جا رفتہ بودیم کہ عقل را

Marfat.com

بمعرفت اسرارِ ایمان واحوالِ آخرت وعجائب ملک وملکوتِ الٰہی و حقیقتِ اوامر ونواہی وے جلّ شانہ وعظّم برہانہ، بے تعلیم شرع ووحیِ آسمانی راہے نیست. پس راہ راست آنست کہ عقل را تابع نقل گردانند واعتماد بر عقل نکنند وبمعارضت وحجت پیش نیایند وبندہ باشند وانقیاد وتسلیم نمایند ے

زبان تازہ کردن باقرارِ تو ۔۔۔ نہ انگیختن حجت از کارِ تو

وبدرستی وراستی کہ ایں صفت در مذہب اہلِ سنت وجماعت پیداست کہ مصدوق: اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ. وفرقۂ ناجیہ کہ بقول حضرت، اِلَّا وَاحِدَۃً مِّنْھُمْ مستثنیٰ وممتاز گشتہ است ایشانند وتمامۂ ائمہ دین ومشائخ طریقت کہ مشہوراند وذکرِ ایشاں بر صفحاتِ روزگار مسطور است بریں مذہب بودہ اند وبریں اعتقاد رفتہ ودر کتبِ مشائخ آنجا کہ بیانِ اعتقاد خود می نمایند ہمیں اعتقاد است، وہیچ یکے از اربابِ بدعت واہلِ ہوا بمقامِ قرب نرسیدہ، ومحلِ انعکاس نورِ ولایت نگشتہ است. مشائخ گفتہ اند کہ وجودِ ظلمتِ بدعت عملاً واعتقاداً مانع ظہور نورِ ہدایت وولایت است وتادل از لوثِ بدعت پاک نگردد، ومتحلّی بحلیہ سنت نشود، سرِ حقیقت انکشاف نہ پذیرد ونورِ یقین بہ دل درنیاید ے

جمالِ شاہدِ قرآں نقاب آنگاہ بکشاید

کہ دار الملک ایماں را بیابد خالی از غوغا

Marfat.com

(۹) وصل گمان نبرند کہ طریقۂ تصوف مخالفِ مذہب اہل سنت و جماعت است، وصوفیہ فرقۂ دیگراند، ورائے این فرقۂ ناجیہ حاشا وکلا خاصہ وخلاصۂ این ملّتِ اقوامِ محققین صوفیہ اند کہ در ظاہر و باطن مقتبسان انوارِ سنت ومکاشفان سرِ حقیقت اند ودر سلوک طریقت اتباع عملاً و حالاً واختیار عزیمت ظاہراً و باطناً وتحقیق معنی صدق واخلاص ومعرفتِ مکائدِ نفس ودقائق ورع وتہذیب اخلاق وتصفیہ باطن ہیچ کس از ایشاں بیشی نکردہ وآں چہ ایشاں را از اعمال واخلاق واحوال ومقامات ومواجید واذواق ونکات واشارات وسائر کمالات دست دادہ، ہیچ فرقۂ دیگر را ندادہ۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ کہ از اعاظم علمائے متاخرینِ حدیث است، در عقائدِ خود می نویسد: وَنَعْتَقِدُ اَنَّ طَرِيْقَ الْجُنَيْدِ وَصَحْبِهٖ طَرِيْقٌ مُّقَوَّمٌ۔ ودر تخصیصِ طریقِ جنید واصحابِ وے اشارت بمقصود کردہ است چہ طریق جنیدؒ واصحاب وے یعنی امثال واقران وے طریقۂ جامعہ ایست کہ در وے تعظیم وتحکیم کتاب وسنت وتقدیم ظاہر بر باطن وجمع بین الشریعت والحقیقت بر وجہ اتم واکمل است، ودر طریقۂ ایشاں تہاون در رعایتِ ظاہرِ احکام وترکِ رعایتِ فتویٰ شریعت قطعاً نیست۔ منقول است کہ وے قدس سرہ فرمودہ است کہ بنائے طریقت ما بر کتاب وسنت است وہر چہ مخالف کتاب وسنت وخارج از آں ست مردود وباطل است ونیز فرمودہ است کہ اگر در ذکر ونماز وتلاوتِ قرآن ذوق وحضور وخشیت وخشوع دست داد

Marfat.com

پس امیدواری فتح باب ہست۔ والا بدانکہ طریق مسدود است ونیز فرمودہ است: مَنْ لَمْ یَسْمَعِ الْحَدِیْثَ وَیُجَالِسُ الْفُقَهَاءَ وَیَاخُذُ اَدَبَهٗ عَنِ الْمُتَادِّبِیْنَ اَفْسَدَ مَنِ اتَّبَعَهٗ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (الآیہ)

ونیز مشائخ فرمودہ اند کہ کُلُّ حَقِیْقَةٍ رَدَّتْهَا الشَّرِیْعَةُ فَهِیَ زَنْدَقَةٌ واز بعضے ازیں طائفہ بسبب غلبۂ حال وسکر ومحبت کلمات واشارات صادر شدہ کہ بفہم اہلِ ظاہر درنیاید وبعضے اعمال وحرکات بوجود آمدہ کہ مخالف ظاہر فتوی شریعت باشد، وآنرا شطحیاتِ مشائخ وہفواتِ ایشاں خوانند ومبہمات وموہمات نیز گویند، کلمات مثل اَنَا الْحَقُّ وَسُبْحَانِیْ وَلَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہ وَاَنَا هُوَ وَهُوَ اَنَا۔ وما نندِ آں وافعال مثل تنویر نعیہ وخرق ثیاب والقائے دراہم درآب والقائے نفس درمہالک و امثالِ آں ومنشائے صدورِ ایں کلمات وافعال طفح سکر وغلبۂ حال و فقدانِ ضبط واختیار است وقسمے دیگر است از اوضاع وآداب و اصطلاحات ومستحسنات مخصوص ایں طائفہ مثل بنائے ربط والباسِ خرقہ واجرائے مقراض وکیفیاتِ ذکر واتخاذِ خلوات واجتماعِ سماع وما نندِ آں ایشاں را درآنجا اجتہادات واستنباطات است۔ ہمچنانکہ علمائے فقہ را وایں از ابوابِ علم است کہ سخن درآں جا از صحت اجتہاد وشرائطِ آں وتحقیق سنت وبدعت رود، ایں قسم داخلِ احوال نیست۔ وصوفی و فقیہ درآنجا برابر است وہردو مطالب بوجود اصل وصحت دلیل ...

Marfat.com

ولیکن قسم اول از غلبات احوال است وآنچه ازیں طائفہ درحالتِ سکر و غلبۂ حال صادر گردد قولاً و فعلاً طریق اسلم درآنجا تسلیم است، و ترکِ مبادرت بانکار و اعتراض با عدم جواز تقلید و صحت اتباع دراں وایشاں خود نیز مریداں را بمتابعت و اقتدا در امثال ایں امور نمی فرمودند بلکہ باز می داشتند و منع می کردند، اتباع و اقتدا، در احکام شریعت و قواعدِ طریقت است کہ اساسِ آں بر علم است نہ در جزئیات اذواق و مواجید کہ بنائے آں بر حال است و بالجملہ مردم در غلبۂ احوال، مشائخ و شطحیاتِ ایشاں سہ فرقہ اند، فرقۂ اول فقہائے صرف و علمائے ظاہر کہ براہِ ردّ و انکار روند، و تسلیمِ آں نمایند، و اہلِ آنرا معذور ندارند۔ باز درمیانِ ایں فقہا دو گروہ اند، گروہے بحسب واقع و حکم نفس الامر منکر باشند و در ظاہر و باطن خطِ بطلان و رقم فساد برآں کشند و آں را بجہل و جنوں نسبت کنند، و منشائے ایں کار از بے مناسبتی و بے مشربی و جمودِ طبع و خرابیٔ باطن ست و دوری و حرمان از برکات و خوف سوءِ خاتمت بود۔

وگروہے دیگر از فقہا در ظاہر بقصد زجر عوام و سد ذرائع انکار کنند و در اظہار رد و انکار با طائفۂ اول شریک باشند ولیکن دل را با زبان موافق نسازند، و در باطن منکر نہ باشند، و ایں ہر دو گروہ در حقِ مشائخ براہ تقصیر و تفریط رفتہ اند۔ عَلٰی تَفَاوُتٍ بَیْنَهُمَا۔

و فرقۂ ثانی براہِ غلو و افراط روند و اعتقاد کنند کہ ہر چہ ایشاں کنند و کردہ اند حق است، ہر چند کہ خلافِ شریعت باشد بلکہ شریعت ہماں ست

Marfat.com

که ایشاں کرده اند، وگروہے گویند که حاشا وکلا کماز ایشاں خلافِ شریعت سرزند
ونزدِ ایں فرقہ اقوالِ علماء وروایاتِ فقہارا اعتبارے نباشد، وایں را محبتِ
مشائخ واعتقادِ پیران خیال کنند اگرچہ بعض از ایشاں بتکلف وچربِ زبانی
ومصلحتِ وقت اظہارِ انقیاد فقہ وشریعت نمایند ولیکن سیمائے وقت و
ناصیۂ حال دلالت کند که مضمرِ باطن ومکنونِ سِرّ ہمان ست، وایں طائفہ
را جہلۂ صوفیہ خوانند، چنانچہ فرقۂ اول را متقشفہ فقہا گویند، واگرچہ فرقۂ
اولی در جمود ست وبلادت بیشتر اند ولیکن قدم ایں فرقۂ ثانی در جہل و
ضلالت بیشتر است ہمیں مقدار فرق است که طائفۂ اولی بے عرفانند و
طائفۂ ثانی بے ایمان - اول در مقامِ معرفت نه در آمده اند، وثانی از دائرۂ
اسلام بدر افتاده اند- زیرا که تمسکِ منکر بظاہر شریعت وحکمِ علم است و
وے دراں معذور است - وبالجملہ ہر دو طائفہ براہِ افراط وتفریط افتاده اند
وطریقِ اسلم که مرکزِ دائرۂ اعتدال وتوسط است تسلیم است -چنانچه گفته اند
اَسلِمْ تَسلَمْ وحاصل معنی تسلیم بداں رود که بداند که منشائے ایں امور
حالِ صحیح ونسبتِ درست ونیتِ صادق است ولیکن بغلبۂ حال و
استیلائے وجد قدم صبر وثبات از جا در آمد وعنانِ ضبط واختیار
از دست رفت بحدیکه صورت ایں فعل قبح شرعی وے از نظرِ اعتبار سقوط
پذیرفت ونظر بر صرف معنی وروح عمل که حضور واخلاص است مقتصر
آمد، وقدم از وسط طریق لغزید، واگر ایں حالت را در عالم ظاہر مثالے طلبند
طریان حالتِ غضب وفرح است علیٰ حسبِ تفاوتِ درجاتِہما ومراتبِہما۔

کہ چگونہ مرد عاقل را بجنباند و از اختیار بیروں آرد و بیخود کرداند، اگرچہ آں حصۂ اختیار کہ مبداءِ فعل است باقی ست و لیکن سخن در زلت و ثبات و غالب و مغلوب می رود، غلبہ وجد و حال راہم بریں قیاس تواں کرد، و ایں جز در مقام سکر و تلوین و بدایتِ حال نباشد۔ اما اربابِ صحو و تمکین کہ بمرتبۂ نہایت رسیدہ و در مقام استقامت و اعتدالِ حقیقی متمکن گشتہ اند۔ ظاہر ایشاں با باطن برابر است، و فرق ایشاں با جمع مساوی بر ایشاں مستی حال را حکم نباشد، و افراط و تفریط را مجال نہ، و با قطع نظر از بدایت و نہایت بعضے ازیں طائفہ را اطوار و احوال عارض می شود کہ از مقامِ تثبت و اختیار بیروں آرد یکے را مستی از صفاتے عمل و ذکاے نفس خیزد و دیگرے را از نورِ ذکر و صفائے قلب و یکے دیگر را از سلطانِ مشاہدہ و جلائے روح بر ہر تقدیر آں حال صحیح است و نسبت درست، و لیکن ایں قول و فعل کہ از طفح و غلبۂ آں صدور یافتہ صحیح نیست و مشروع و محل اقتدا و اتباع نہ۔

اگر گویند کہ چوں قول و فعل را نا مشروع و غیر قابل اقتدا و اتباع دارند، لاجرم از بابِ طاعت و ہدایت نبود بلکہ از قبیل معصیت و ضلالت باشد۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ۔ پس ایں اعتقاد عین انکار و تنقیصِ مشائخ باشد، اگرچہ در مرتبہ کمتر از انکار فرقۂ اول بود۔

جوابش آں ست کہ صدور امرے در غلبۂ حال بطریقِ عصیان و قصد مخالفت امر و نہی نیست، و بمیل طبیعت و ہوائے نفس و علت جہل و داعیۂ ہوا نہ بدلیل آنچہ بیقین معلوم شدہ است از تقوی و ورع و

Marfat.com

اخذِ عزیمت و اتباعِ سنت و علم و عمل و دیانت صاحبِ آں بلکہ متفرد ِ دِن
بصدقِ نیت و حسنِ قصد در قہرِ نفس و قطع اسباب و اسقاط اغیار و استیلائے
محبت و غلبۂ شوق است، و اینہا ہمہ احوال صحیحہ و مقاصد حسنہ است بلکہ
گویند صاحبِ حال در حالت غلبۂ اصطلام و استہلاک در غلبات حال و
سطواتِ وجد حکم مجنوں دارد کہ قلمِ تکلیف از وے مرفوع است۔ و اگر ایں
امور را نسبت بصاحبِ حالِ معصیت و قبیح و نامشروع ندارند شاید کہ در
طور اہل باطن کہ تابع صرف معنی افتادہ اند گنجائش داشتہ باشد ولیکن
چوں حکمِ شریعت عام است و عمومات شرعیہ باختلافِ افراد و اشخاص
مختلف نگردد و بخصوصیتِ حال کسے مخصوص نشود و حسن و قبح فعل بامر و نہی
شارع است نہ بکیفیتِ صدور و اعتبار حالِ فاعل لاجرم ذات ایں فعل و
صورت ایں حرکت بصفت عدم مشروعیت موصوف بود، و از دائرۂ حکم و
فتوی علم بیروں۔ پس در حقیقت قبح و انکار راجع بذاتِ فعل گردد نہ بفاعل۔
و بسا باشد کہ اصل فعل خطا و معصیت بود فاعل را خاطی و عاصی نخوانند
علما گفتہ اند کہ اکل شجرہ از آدم صفی صلوات اللہ علیہ معصیت بود۔ اما او را
علیہ الصلوٰۃ والسلام عاصی خواندن از ادب نبود، قولہ تعالیٰ: وَعَصٰی اٰدَمُ
رَبَّہٗ فَغَوٰی و نفرمود کَانَ مِنَ الْعَاصِیْنَ وَالْغَاوِیْنَ، بلکہ در مقام اعتذار
از وے می فرماید فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا۔ و بحقیقتِ غلبہ حال نیز سببِ
نسیان و عدم وجود عزم است۔ پس مرجع و مآل ہفوات مشائخ حکم زلاتِ
انبیا صلوات اللہ علیہم اجمعین پیدا کرد، با اختصاصِ عصمت بحضرات انبیاء

چنانچه مبہمات ایشان را بمتشابہات قرآن تشبیہ می کنند۔ واللہ اعلم

(۱۰) وصل این لفظ کہ ہفواتِ مشائخ حکم زلات انبیاؑ دارد بر سبیلِ تشبیہ وتمثیل والحاق ناقص بکامل گفتیم والا ہیچ کس را با حضرات انبیا صلوات اللہ وسلامہ علیہم مشارکت در احوال ومقامات قرب نبود، اگرچہ بحکم آنکہ ولایت سایۂ نبوت است، آنچہ بعضے از صفات شخص است در سایہ پیدا گردد، ولیکن با وجود آن فرع با اصل کے ماند، وتابع با متبوع برابر نبود، وہرچہ اولیا را از کمالات حاصل میشود بمتابعت انبیا، شود۔ ومشائخ فرمودہ اند قدس اللہ اسرارہم کہ ارواح مومنان اقتباس انوار از ارواح اولیاء کنند، وارواحِ اولیاء از ارواحِ انبیاؑ، وارواحِ انبیاؑ از روح خاتم النبوتؐ وخاتم النبوت از ذاتِ اقدس تعالیٰ شانہ۔

حضرت غوث الثقلین فرمودہ اند کہ با اولیا حدیث بود وبا انبیا کلام، وانبیا را وحی است واولیاء را الہام، ووحی کلامِ الٰہی است کہ باوے روحِ اوست کہ او را روح الامین گویند، بمثابہ خاتم کہ بر کتاب کنند ولہذا تصدیق وے واجب ورَدِّ وے کفر بود۔ والہام حدیثِ الٰہی است کہ قابلِ وے نورِ یقین وسکینہ است کہ در قلبِ صحیح ولی نہادہ اند۔ پس کلام در ظاہر وباطن است وحدیث در باطن، وتکذیب وانکار کلام کفر وموجب خرابی ظاہر وباطن، وانکارِ حدیث سببِ خرابی باطن بود۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

وباتفاقِ متکلمین ومحققینِ صوفیہ ہیچ ولی بمرتبۂ نبی نرسد، وآنچہ

Marfat.com

مشہور شدہ است کہ اَلْوَلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ۔ بعد از تحقیق آنکہ مصدر این کلام کیست۔ اگر مراد بوے افضلیتِ ولی است از نبی، پس این سخن مردود باطل و مخالفِ مذہب اہلِ حق است، و اگر اشارتے دیگر و تاویلے دیگر دارد، صحیح است و مخالفت بحق ندارد۔ اکنون در بیان زلات انبیا دم نتوانیم زد و بحقیقتِ آن نتوانیم رسید کہ چیست و از کجاست۔ این قدر مفہوم می شود کہ معنی زلت لغزیدن پائے است در رفتار۔ مثلاً سیکے براہِ راست می رود و مقصدش راست و قصدش درست، ناگاہ بعلتِ طریان نوعے از غفلت و عدم احتیاط پایش لغزید، افتاد یا نیفتاد این را در متعارف اہلِ لغت زلت گویند۔ از ین جا کیفیتِ زلتِ معنوی را قیاس تواں کرد و تخییل و تخمین نمود۔ اما منشا و انبعاثِ این لغزش و زوال سکہ و احتیاط از حضرات انبیاء کہ احوالِ ایشاں از مرتبہ سکر بلکہ از مقامِ صحو نیز بالاتر است، چیست و از کجاست۔ حقیقت آن بفہم در نیاید۔ آنچہ این طائفہ از قواعد بیان کردہ اند آنست کہ حصۂ شیطان و کلیات صفاتِ نفس و ظلماتِ طبیعت از ایشاں یعنی از انبیا صلوات اللہ علیہم اجمعین مرتفع و معدوم است۔ چنانکہ حدیث شق صدر شریف دلیل آن است الا بعضے از جزئیات احکام نفس و جبلت بمعت لطافت و نورانیت نگاہداشتہ اند تا ظہورِ اثر آں صفت سبب نزول وحی و تقریب وضع احکامِ شرعیہ در ایشاں گردد و ادراک شرف اتباع گردد کہ اِنَّمَا اُنَسّٰی لِاَسُنَّ۔ کذا فی العوارف۔

وہم صاحبِ عوارف قدس سرہ سوال خلیل الرحمن را

علیہ السلام رَبِّ اَرِنِی کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی - وطلب کلیم اللہ را علیہ السلام
رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ - از غلبۂ حال وانبساط در بساط قرب داشتہ است
وگفتہ کہ امثال ایں سوال در حضرت عزت وانبساط در مقام قرب جز
بغلبۂ حال نباشد واللہ اعلم انتہی -
مگر سرورِ انبیا وسندِ اصفیا ومہترِ عارفانِ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کہ ہیچ غلبہ ومستی را گرد سراپردۂ استقامتش راہ نیست، مَا زَاغَ الْبَصَرُ
وَمَا طَغٰی صفت وست ہرگز ازیں باب سوال نکرد، واگر کرد اشارت بمقصود بعبارتے نمود
کہ سراسر تواضع وادب ست چنانچہ فرمود: اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ مضمون
ایں سوال در نظرِ تحقیق عین معنی رَبِّ اَرِنِیْ است - زیرا کہ حقیقت الحقائق ہماں
وجود حق است تعالیٰ شانہٗ بلکہ زیادہ بر آنست کہ کنہ رویت وماہیت طلب داشتہ
وفرمودہ ارنا حقائق الاشیاء کما ہی وایں بجہتِ وسعتِ حوصلہ وکمالِ
استعداد وقابلیت اوست کہ مخصوص بجوہرِ شریفِ اوست صلی اللہ علیہ وسلم،
وہیچ کس را دراں بلکہ قریبِ آں باوے ہمسری نیست ؎
موسیٰؑ زہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی
عجائب سخن گفتہ است در نعتِ آنحضرتؐ کمالے بالاتر ازیں سخن ہیچ نگفتہ رحمہ اللہ تعالیٰ
قائلہ وذکرِ حقائق بصیغہ جمع گفت کہ حقائق الاشیاء، ونگفت حقیقۃ الاشیا کہ دریں
نیز رعایتِ ادب وکتمان سر ست تا سخن سربستہ آید وراز در پردہ ماند یا
اشارتست بمطالعہ وحدت درکثرتِ معاملہ کہ اکمل مراتب معرفت وشہود
است، عنایتِ دیگر بنگر کہ در حقِ متابعان واتباعِ خود دارد، اَرِنَا فرمود، نہ اَرِنِیْ

Marfat.com

تا غربائے امت را نیز ازاں نصیبہ باشد۔ اینجا ہماں معنی ظہور می کند کہ در آخرت دیگراں نعرۂ نفسی نفسی زنند، و وے علیہ الصلوٰۃ والسلام امّتی امّتی فرماید۔ سبحان اللہ۔ افہام خلائق از کمالاتِ انبیا علیہم السلام حیران، و انبیا ہمہ در ذاتِ پیغمبر با نام محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم حیرانند۔ و کمالاتِ انبیائے دیگر محدود و معین است۔ اما ایں جا تعین و تحدید نگنجد، و خیال و قیاس را بدرکِ کمالِ وے راہ نبود۔

اصمعی رحمۃ اللہ علیہ را کہ از ائمہ علمائے لغت است از معنی حدیث اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً وفی روایۃ مِائَۃَ مَرَّۃٍ پرسیدند کہ حقیقتِ ایں غین چیست و مراد باں چہ گفت: اِنْ سَاَلْتَ عَنْ قَلْبِ غَیْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَقُلْتُہٗ۔ گفت اے سائل اگر از قلب دیگر و غین دیگر غیر قلبِ سید کائنات و مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم می پرسیدی، می گفتم آنچہ می دانستم، اما ایں جا کہ عین بعین است از غین دم نتوانم زد۔ اکنوں ایں عجز و اعتراف بجہل و نادانی از اصمعی عین علم و معرفت است۔ چنانکہ گفتہ اند لَا اَدْرِیْ نصف العلم جائے دیگر، اگر نصف علم است ایں جا تمام علم خواہد بود، نصف علم در انجاست کہ ادراک ممکن است و علم بداں نمی رسد ولیکن اعتراف بجہل و سلوکِ طریقۂ انصافِ علمے دیگر است۔ اما ایں جا کہ ادراک آں ممکن و متوقع نیست۔ علم دریں مقام جز اعتراف بنادانی و نارسائی نباشد، ایں جا دعوٰی علم جہل است و دریافتن جہلِ عینِ علم اگرچہ علمائے حدیث بر قدرِ علم و اندازۂ دانش و معرفت خود

چیزے گفتہ وگوہر معنی در رشتۂ قیاس وتخمین سفتہ اند۔ اما انصاف آنست کہ
سر کار از چشم اغیار مستور است وجمالِ حقیقت ایں حال بدیدۂ عقل
نامنظور۔ بعضے گویند کہ ایں غین پردۂ رقیق لطیف است کہ بحکمِ بشریت
از ملابست کثرت واہتمام مہام دین وملت بمقدار طرفۃ العین فترتے و
غفلتے بر دیدۂ شہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می نشست ودر ہماں آنِ لطیف
باشتعالِ نارِ ذکر وظہورِ تجلیاتِ نورِ وحدت اضمحلال می پذیرفت، وآنحضرت از طریان
ایں حالت وعروض فترت استغفار می کرد کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔
وبعضے گویند کہ ایں پردۂ غین از جہتِ غمِ امت وخوفِ خاتمت ایشاں
بود واستغفار ہم از برائے امت وآمرزیدہ شدن ایشاں است۔ رحمہ اللہ قائلہٗ
وقال بعض الصوفیہ۔ قدس اللہ اسرارہم ھٰذا غَیْنَ الْاَنْوَارِ
لَا غَیْنَ الْاَغْیَارِ۔ آنچہ دریں پردہ مشہود او می شد، اگر بر تمامہ عارفان
مکشوف شود طاقت آں نیارند ومستیہا کنند وفریاد زنند کہ حقیقت را بے پردہ
می بینیم۔ چنانچہ منقول است کہ روزے جبریل امین علیہ السلام در حضرت وے
گفت کہ نہایتِ درجات قربِ من در حضرتِ صمدیت عزّ وعلا کہ زیادہ
براں ہرگز نبودہ است آں بود کہ میانِ من وپروردگار ہفتاد ہزار پردہ از
نور بود۔ پس آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم در ہر لمحہ وہر آن پردہ از نور جلال
مشہود می گشت وتجلی دیگر نوری بالاتر ازاں برطرف می شد وتوقف در مقام
اول بعد از انکشاف مقام ثانی استغفار می کرد وایں عین ترقی است
در درجات قرب ومشاہدۂ تجلیات وایں حالت نہ مخصوص ایں نشأۃ است

تا ابد الآبدین حال ہمبریں منوال خواہد بود- زیرا کہ تجلیاتِ حق را نہایت نیست۔ پس ہر گاہ ایں جا عین بمعنی مشاہدہ آید و پردہ نشستن بمعنی پردہ برداشتن شد و معلوم شد کہ مراد از اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ- کہ در حدیث دیگر واقع شدہ است. مراد ازاں تکثیر و توفیر است نہ حصر و تحدید، الا آنکہ مقامِ قربِ جبرئیل ازیں نگذرد و بحکم وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ تجاوز و ترقی وے ازیں حد بفوق صورت نہ بندد- چنانچہ حضرت شیخ سعدیؒ فرمودہ

اگر یک سر موئے برتر پرم ‍ ‍ ‍ ‍ فروغِ تجلی بسوزد پرم

وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را دائم ترقی در ترقی است و مشاہدات او در رنگ تجلیاتِ حق نہایتے ندارد- مِنَ الْاَزَلِ اِلَی الْاَبَدِ-

وبعضے از شراحِ حدیث در بیان کیفیت ایں غین دو وجہ گفتہ اند، اول آنکہ حدوثِ ایں غین بر عین بصیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل انطباقِ جفن است بر باصرہ ہمچنانکہ بہم برآمدن پلکہائے دیدہ بر باصرہ اگرچہ بظاہر در صورتِ نقصان نماید، ومانع از ابصار آید کہ کمال باصرہ در آنست ولیکن موجب تکمیل و تصقیل حدقۂ عین و حفظ اوست از غبار و دخان، چنانچہ ویرا ضرر کند کذلک تا دیدۂ دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باثارتِ ادخنۂ انفاسِ اغیار و ہیجانِ غبار کثرت وآثار کدورت نگیرد، و مرأتِ بصیرتش زنگ نہ پذیرد، و ورود ایں غین و فرو ہشتن ایں پردہ موجب وقایہ و سبب حفظ و تصقیلِ وے ازیں غبار و کدورت آمد- پس اگرچہ بنظرِ وہم بصورتِ نقصان در آید، ولیکن در حقیقت کمال است یا تتمۂ کمال و باوجود آں استغفار می کرد

Marfat.com

ومعذرت می خواست، از جہت کمالِ محبت وشوقِ طلعت تا یک چشم زدن
ہم از جمالِ محبوب محجوب نباشد، چنانکہ بزرگے فرمودہ ؎

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشم شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشم

وجہ ثانی آنکہ روحِ اقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائم در مقامِ
ترقی وشوق وصول برفیقِ اعلیٰ والحاق بملکوت کہ مقرِ اصلی اوست بود و
قلب تابع روح ونفس تابع قلب می شد وشک نیست کہ حرکتِ روح
ونہضت قلب اسرع واتم است از حرکتِ نفس۔ پس ناچار نفس در عروج
وولوج بمقامِ قرب وحریمِ عزت از مصاحبت ومرافقت روح و
قلب جدا می افتاد، وموجب انقطاعِ علاقہ کہ سبب بقائے ہیئتِ
عنصری ست می گشت۔ پس حکمتِ بالغۂ الٰہی ورحمت وعاطفتِ
نامتناہی وے کہ برائے تکمیل وارشادِ خلق اقتضائے ابقائے عنصرِ شریفش
می کرد ورود ایں غین وفروہشتن ایں پردہ را سبب ابطائے حرکتِ
قلب شریف وے کرد، تا بالکلیہ بجانبِ روح نرود، وبعالمِ قدس لحوق
نہ پذیرد وعلاقہ منقطع نگردد۔ وآں حضرتؐ بجہتِ کمالِ شوق وانجذاب
آں عالم از ابطائے حرکت قلب ونہضتِ سیر باوجودِ تضمن ایں حکمت ومصلحت وکمالِ
حرص وے بر تکمیل وارشاد امت استغفار می کند واعتذار می خواہد۔

وایں دو وجہ از افادات وکلمات شیخ الوقت شہاب الدین
سہروردی است قدس سرہ، کہ طیبی آں را در شرح مشکوٰۃ نقل کردہ در
نزاکتِ وجہ اول ونفاستِ وجہ ثانی سخن نیست۔ اما باوجود آں مرا سخن

Marfat.com

اصمعیؒ از ہمہ خوشتر آید، و بادب و اجلال شان قلب مصطفوی کہ حقیقت حال آں را جز خدا کسے نداند قریب تر نماید۔ ہر کس ہر آنچہ گوید بر حد اندازۂ معرفت و قیاس خود گوید، چوں مقام او از ہمہ بالاتر است ہر کہ از مقام وے خبر دہد از حقیقت حال وے کہ با خدا دارد کشف کند، گویا تا ویل متشابہات کردہ باشد۔ بیچارہ اصمعیؒ باوجود آنکہ گرفتار لفظ است عجب پے بمعنی بردہ ایں فہم و ادراک او را از برکت تتبع لغت عرب کہ لغت سید کائنات است حاصل شدہ بود، آب و ہوائے آں زمین تاثیر کرد واصل ایں نورانی تاثیر قرب زمان نبوتؐ است۔ چنانچہ امام علی حکیم ترمذی می گوید کہ من آنچہ در جوانی از انوار و آثار می یافتم در وقت پیری باوجود ازدیاد علم و عمل و مجاہدہ نیافتم، در معرفت سبب آں حیران بودم در سر من فرو خواندند کہ کمال حال جوانی بجہت قرب زمانی بحضرت سید کائنات بود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعالی اللہ چوں قرب زمان را ایں خاصیت است، عین آں زمان را نیز اثر خواہد بود کہ پردہ از جمال حقیقت بر افتادہ بود و آفتاب یقین بر سمت الراس رسیدہ، ازیں جا تفضیل اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورضی اللہ عنہم لازم آید، بر ہر کہ بعد از ایشاں آمدہ۔

ولہذا در قوت القلوب می فرماید کہ بیک نظر کہ بر جمال افضل انبیا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افتد و یکساعت مجلسے کہ در حضرتش نماید چیزے نما و کارے کشاید کہ دیگرے را بخلوات و اربعینات نکشاید و ننماید، و باوجود آں چندیں آیات و احادیث در فضل غربائے امت و خاصگان حضرت کہ

بعد از زبان وے صلی اللہ علیہ وسلم بپایندورود یافتہ است، گمان شود کہ مقصود ہمیں ایشانند، و اولیائے امت را صحبتِ معنوی با آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائمی است و استضاءت انوار و استفاضت آثار مستمر و باقی و تمامہ متوجہان آنجناب و غریبان آں کوئے را نصیبہ ازاں نور خواہد بود بلکہ ذرا بر موجودات و کافۂ مخلوقات را از نور وجود و رحمت عام وے نصیبے ہست. وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. واگر ایشاں قدرِ نعمت نشناسند و کافر نعمتے نمایند چہ تواں کرد

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابرِ بہار ... کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردۂ تست

نا امید نباید بود کہ حقیقتِ محمدی را ادوار است مثل دورات فلکی تا وضع ہر دورہ نسبت بکہ نشیند، و نظر کوکبے از کواکب صفات و کمالاتش برکہ افتد و بر روے کہ تابد، تا نورِ کمال از ناصیۂ حالش ظہور یابد، و معنی عزت اسلام در جوہر ذاتش پیدا گردد غالباً تمامی ایں دورہ بر سر صد سال بود کہ يُبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ أَمْرَ دِيْنِهَا. اکنوں ایں مائۃ حادی عشر است تا سکۂ ایں دولت بنام کیست. مردے باید کہ اعجاز حقیقت بر دست وے باشد، تا نفوس عامۂ اہل ایں روزگار را کہ حقیقت را لہو و لعب خیال کردہ اند، و ہزل را با جد آمیختہ، بقہر اعجاز و قوتِ تصرف چناں درہم کشد کہ مجالِ نفس بر ایشاں تنگ آید. حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا.

روئے زمیں ز تیرگی منکران عشق　　محتاج شست شوی دگر شد کجاست نوح
لا الٰہ الا اللہ

(۱۱) **وصل**...... باز کجا افتادم و از کجا سر کشیدم سخن در آں بود که ہفوات مشائخ علت آں طفح حال و غلبہ سکر است، و آں حال صحیح و نسبت درست است، ولیکن آں قول و فعل که از غلبۂ حال سر بر زده و صادر شده محل اقتدا و قابلِ اتباع نیست۔ و ایشاں در صدور آں معذور اند، و ہمچنانند که گویا اختیار ندارند، و مثالے چند از اقوال و افعال بطریق کلیہ و اجمال ذکر کرده شد۔ اکنوں اگر بعضے جزئیات آنرا بتفصیل ذکر کنیم دور نباشد ولیکن تعرض باقوال در حوصلۂ وقت نمی گنجد که آں از بابِ رموز و اشاراتِ فنا و توحید است، قیل و قال در آنجا مناسب حال نباشد۔ حکایتے چند از جنس افعال مذکور می شود شاید که در مقصود کفایت کند۔

مثلاً آورده اند که حضرت شبلی را رحمۃ اللہ علیہ پسرے فوت شده بود، مادرِ پسر بے طاقتی کرد، و براه جزع و فزع برفت، و موئے سر ببرید و وے نیز ریش را نوره زد و بنشست۔ اہل بغداد بروے بہم بر آمدند و بیزار شدند، و ہیچ کس در مصیبتِ پسر بر بیروے بتعزیت نیامد۔ یکے از یارانِ وے پرسید که آخر ایں چه حرکت بود که تو کردی و چرا کردی؟ گفت موافقۃً لاهلی گفتند که حقیقتِ حال بیان کن که بایں ہا تسلی نمی شود، بموافقت اہل و عیال ازیں ہا نتواں کرد؟ گفت که پس اگر بجد می پرسی حقیقت آنست که خبرے بمن رسیده است که ہر که دیگرے را تذکیر حق کند و خود غافل باشد محل لعنت و مستحق بعد گردد و از نظر رحمت حق بیفتد۔ من نخواستم که مردم

بتعزیت پیشِ من بیایند و بحربِ زبانی، چنانچہ رسم و عادت است، ترجیع کنند و تذکیر نمایند و دلہائے ایشاں از حق غافل و محجوب باشند و مستحق لعن شوند، و باعث براں و تقریب آں من باشم۔ پس لحیۂ خود را فدا کردم و خلق خدا را از ورطۂ ہلاک و ضرر باز داشتم۔ اکنوں ببیں کہ ایں چہ صدق نیت است وچہ تدقیقِ نظر است وچہ قدر تعظیمِ ذکرِ الٰہی و حدیث حضرت رسالت پناہی است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، و شفقت و رحمت بر خلق او راست، و اینہا ہمہ احوالِ سنیہ و مقاماتِ علیہ است، ولیکن صدور ایں فعل کہ حلق لحیہ است باایں نیت در شرع شریف جائز نباشد و از ہیچ عاقلے ایں کار نیاید۔ و ببیں کہ انصافِ او بعلم و عمل و تقوٰی و ریاضت و رچہ مرتبہ است۔ و باوجودِ آں بغلبۂ ایں نیت و ایں حال از وے ایں فعل صادر شد تاچہ مقدار غلبہ و بے اختیاری و مستی زور آوردہ باشد، والا قاعدہ آنست کہ نیت در مباحات و مستحبات رود نہ در محرمات و مکروہات جائے آنست کہ ویرا دریں حالت حکم مجانین دہند و معذور دارند۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حضرت شبلیؒ امام اہلِ وجد و سرگروہ اربابِ سکر و حال بود، دیگرے را بروے قیاس نتواں کرد، چنداں در غلبۂ حال از خود غائب و مستغرق و فرو رفتہ بود کہ آوردہ اند، موئیہائے حواجب و اشفار را می چید، و بعضے اوقات پوست و گوشت خود را بزنبور می گرفت و می کند، تا اگر بعلت تا لم لحظۂ بخود باز آید و افاقتش دست دہد، و اہلِ زمان وے او را دیوانہ

می گفتند و مجنوں می خواندند، وحال آنکه وے اعقل اہل زمان خود بود بحکم اَکْیَسُ النَّاسِ اَزْهَدُهُمْ فِي الدُّنْيَا. حق آنست کہ صد ہزار عقل فدائے ایں دیوانگی باد ؎

دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند | دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی

آوردہ اند کہ روزے وے قدس سرہٗ نزد ابو بکر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہ یکے از علمائے عصر خود بود آمد، ابو بکرؒ را چوں نظر بروے افتاد، برخاست و در میان دو چشم وے بوسہ داد و بتعظیم ہر چہ تمامتر در پیشِ پہلوئے خودش بنشاند. جماعت از فقہا کہ در گرد ابو بکرؒ بودند، گفتند چرا چنیں با شبلی می کنی وحال آنکہ تو و ہر کہ در بغداد است اورا مجنوں می خوانند؟ ابو بکرؒ جواب داد من نکردم الّا آنچہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیدم، امشب در خواب می بینم کہ شبلی قدس سرہ در حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم درآمد، آنحضرتؐ بدیدنِ وے برخاست و در میانِ دو چشم وے بوسہ داد و در پہلوئے خودش بنشاند۔ پرسیدم یا رسول اللہؐ ایں کہ با شبلیؒ می کنی، وے بچہ چیز مستحق ایں چنیں اکرام و تعظیم شد۔ فرمود وے بعد از ہر نماز ایں آیت میخواند لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ و بعد ازاں درود بر من می فرستد۔

دہم از شبلی قدس سرہ می آرند کہ روزے بخاطرش انداختند کہ تو بخیلے عہد کرد کہ ہر چہ امروز از فتوح برسد باول فقیرے کہ در پیش می آید بدہد پنجاہ دینار نزد وے آمد آنرا برگرفت و برآمد گذرش بر فقیرے ضریر البصر افتاد کہ پیش

مُزیّن نشسته است و حلق راس می کند۔ شبلی قدس سرہ آں صرہ اورا داد۔ او گفت کہ ما را بداں حاجت نیست بایں مزین دہ کہ خدمت می کند۔ شبلیؒ گفت کہ دریں صرہ دنانیر است۔ آں فقیر سر برآورد و نگاہ بجانب شبلیؒ کرد و گفت کہ ما نگفتیم تو بخیلی۔ پس آں دنانیر را مزین نہاد۔ مزین گفت کہ ما را عہد است کہ خدمتِ فقرا باجرت نکنم۔ پس شبلی قدس سرہ آں صرہ را برگرفت ودر دجلہ انداخت و گفت: مَا اَعَزَّكَ اَحَدٌ اِلَّا اَذَلَّهُ اللّٰهُ۔ ایں جا علمائے ظاہر گویند کہ وے اسراف کرد کہ صرۂ دنانیر را در دریا انداخت۔ اما تواں دانست کہ وے چہ کردہ است و جنبشِ حال وے از کجا بودہ است۔ واللہ اعلم۔

و دیگر آوردہ اند کہ روزے وے قدس سرہ جامۂ نو پوشیدہ بود و دامنِ جامہ را چاک کردہ۔ گفتند کہ علم حکم می کند کہ جامۂ نو را پارہ سازند و ضائع کنند۔ گفت علم حکم می کند کہ اسپاں را پے زنند و ذبح کنند۔ اشارت بقصۂ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کرد کہ مجلائے اسپاں میگرفت تا آفتاب بغروب رفت و وقتِ نمازِ عصر بگذشت۔ پس بمکافات ایں تقصیر و قصد اعتذار اسپاں را پے می کرد، و گردن میزد۔ چنانچہ قرآن مجید از وے خبر می دہد: فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ۔ و بعضے مسح سوق و اعناق را بر ظاہر حمل کردہ اند یعنی دست بر ساق و گردنِ اسپان فرو می آورد، و سر می داد۔ واللہ اعلم

واکثرِ آنچہ از اربابِ احوال از امثال ایں حکایات کہ نقل کردہ اند درباب ریاضتِ نفس و تشدید و تجہید وے و تحقیق مقام توحید و توکل و

Marfat.com

قطع نظر از وسائط و اسباب است۔

امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ در نشر المحاسن از ابو حمزہ خراسانی نقل می کند کہ وے گفتہ است کہ در راہِ حج می رفتم، ناگاہ در چاہے افتادم نفسِ من با من بمنازعت برآمد کہ فریاد کن تا کسے بشنود و از چاہت برآرد۔ گفتم لا واللہ ہرگز فریاد نہ کنم، و استعانت بغیر حق ننمایم، تا وے تعالیٰ شانہ بقدرتِ خود از بیرونِ پردہ اسبابِ عادی نہ برآرد نہ برایم۔ ناگاہ دو مرد بر سرِ چاہ رسیدند و بایکدیگر مصلحت کردند کہ ایں چاہ بر سرِ راہ واقع شدہ است روئے او را بپوشیم تا کسے در وے نیفتد، پس سرِ چاہ را پوشیدند و نشانش را گم ساختند۔ در اثنائے آنکہ سرِ چاہ را می پوشیدند، قصد کردم کہ فریاد کنم و از حالِ خود آں پوشندگانِ چاہ را آگاہ گردانم، باز با خود گفتم کہ عہدے کہ با پروردگار تعالیٰ شانہ کردہ ام ہرگز نشکنم، پس صبر کردم۔ بعد از ایشاں جماعتے دیگر رسیدند و سرِ چاہ را بکشادند۔ دریں مرتبہ نیز خواستم کہ فریاد کنم، باز گفتم پروردگارِ من با من قریب تر است از ایشاں اگر ہم بعلم وے اکتفا کنم بس است، ساعتے خاموش ماندم ناگاہ شیرے پیدا شد و پائیہائے خود را در چاہ آویخت، بطرزیکہ گویا اشارت بمن می کند تا بپایش متعلق شوم۔ چوں وجود آں از مجرائے عادت بیروں بود۔ دانستم کہ از جانب حق است۔ پس پائیہایش گرفتم و برآمدم۔ ہاتف آواز داد کہ یَا اَبَا حَمْزَۃَ اَلَیْسَ ھٰذَا اَحْسَنَ نَجَّیْنَاکَ مِنَ التَّلَفِ بِالتَّلَفِ۔ و بروایتے ہماں شیر آمد و سرِ چاہ بکشاد

واز حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ می آرند کہ بقریہ رسید، چوں شب در آمد اہلِ قریہ رادید کہ اضطرابے می کنند، و درہا می بندند و در کنجہائے خانہ می خزند۔ پرسید کہ حال چیست وچرا چنیں می کنند واز کہ می ترسند۔ گفتند دریں جا عادتست کہ چوں شب شود، شیرے از بادیہ درآید وہر کہ او را دریابد ہلاک می کنند، ایں ہمہ خوف وہراسِ ما ازوست۔ ذوالنون قدس سرہ رانیز بحکمِ بشریت خوفے وہراسے در دل افتاد، خواست تا بموافقت اہلِ قریہ بکنجے دررود، بازبا خود گفت کہ فاعلِ حقیقی حق است فعل فعلِ اوست وارادت ارادتِ وے، شیر بارے کیست کہ ازو بترسند۔ لاتتحرک ذرۃ الا باذن اللہ۔ وتوکل برخدا کرد، وبیرونِ قریہ ہم در آنجا کہ شیر می آمد رفت وبنشست، وشبہم آنجا گذرانید۔

اینجا نیز علماء گویند کہ دریں جا اہلاکِ نفس وایقاعِ اوست در خطر وایں در شرع شریف جائز نباشد۔ وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ جوابش آن ست کہ اینہا درحق عموم خلق است وعام را رخصت است وخواص را عزیمت ونیز دیدۂ بصیرت عوام از مشاہدۂ حق وفعل وے محجوب ست۔ اما اربابِ توحید وتوکل را کہ حجاب اسباب ووسائط از نظرِ ہمتِ ایشاں ساقط گشتہ وبہ عین الیقین مشہود ومکشوف شدہ است کہ بے ارادتِ وے وفعلِ وے تعالیٰ چیزے واقع نشود، ودر کنج خانہ خزیدن ودر بادیہ نشستن یکے ست۔ اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

واز حضرت شیخ ابوالحسن نوری نوراللہ مرقدہ در قصۂ محنتِ غلام خلیل که نامش احمد بن غالب بود، واو بطائفہ صوفیہ صافیہ علیہ براہ انکار می رفت وبکفر وزندقہ نسبت می کرد می آرند که چون خلیفہ بہ غمازی غلام امر بگرفتن فقرا کرد وبکشتن جماعت صوفیہ علیہ که ابوالحسن نوری قدس سرہ ہم در ایشان بود، فرمان داد، سیاف آمد بایستاد وتیغ برکشید تا از یکسر بنیاد قتل نہد شیخ از ہمہ پیشتر دویدہ وبتواجد درآمدہ نزدِ سیاف بایستاد تا گردنش زند۔ سیاف گفت آخر چہ خواہی که از ہمہ پیشتر خود را بکشتن می دہی؟ فرمود در سلوک این طریق روشِ من ایثار بود، اکنون ہم یکساعتِ حیات که ماندہ است می خواہم که آنرا نیز ایثار برادران کنم۔ سیاف بشنیدن این کلمہ حیران بایستاد خبر بخلیفہ رسانید۔ خلیفہ بقاضی حکم کرد تا تفتیش این حال نماید وتحقیق کند که ایشان چہ طائفہ اند وچہ مذہب دارند۔ قاضی از ابوالحسن نوری قدس سرہٗ در عبادات از طہارات وصوم وصلوٰۃ سوالہا کرد۔ نوری قدس سرہ ہمہ سوالہا او را جوابہائے شافی داد۔ وگفت که اَمَّا بَعْدُ هٰذَا فَاعْلَمْ اَنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا یَسْمَعُوْنَ بِاللّٰهِ وَیَنْطِقُوْنَ بِاللّٰهِ وَیَرَوْنَ بِاللّٰهِ وَیَصْدُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَیَاْکُلُوْنَ بِاللّٰهِ وَیَلْبَسُوْنَ بِاللّٰهِ۔ ہمگی باخدا باشند ودائم در مشاہدۂ حق باشند که اگر یک لمحہ از مشاہدۂ جمالِ او باز مانند جانِ ایشان برآید۔ قاضی چون ہیبتِ کلام نوری در دل یافت، گریہ ہائے سخت کرد ونزد خلیفہ رفت، وگفت، اگر این جماعت زنادقہ اند پس بر روئے زمین یک کس مسلمان پیدا نخواہد شد۔ شعر

ایثار پیش شدن از قتل خود کنی

Marfat.com

کافراں رہِ عشقیم اگر انصاف است صد مسلمان تو اے خواجہ و یک کافرِ ما

پس ہمہ را اخلاص کردند و عذر خواستند۔

ایں جامی گوید کہ ایں تواجد نوری قدس سرہ و مبادرت وے نزدیک اعانت بر قتلِ نفس است و آں بفتوائے شرعِ شریف جائز نباشد زیرا کہ اعانت بر قتلِ نفس تصرف در ملک غیر کردن ست، وجودِ آدمی از آنِ خود نیست از آنِ حق است و را چہ رسد کہ بقائے خود یا فنائے خود خواہد، و او را واقف بر حدودِ ادب باید بود ازیں جہت است کہ اہلاکِ نفس و اعانت بر قتلِ وے بفتوی شرع شریف جائز نیست۔ و بتقریریکہ کردہ شد خود آں لازم آمد کہ ادبِ عبودیت نیز ہمیں باشد ولیکن خدا داند کہ آں حال و مستی کہ وے را دریں جا دست داد از کجا بود و وے دراں وقت در کدام مشہد و کدام محل بود۔

حضرت ابو الحسن نوری قدس سرہٗ از ائمہ ایشان ست و از اقرانِ جنیدؒ ..... و از اربابِ سکر و وجد و حال است، وقتے بحضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ رسانیدند کہ سہ روز بر نوریؒ گذشتہ است کہ طعام نخوردہ است و خواب نکردہ، واللہ اللہ می گوید و تواجد می کند۔ پرسید حال نمازہائے وے چیست؟ گفتند نمازہا می کند و ہمانقدر از وقت کہ در وے نماز بگذارد ہوشیار می شود و بعد فراغِ نماز باز در سرمستی خود رود و تواجد می کند۔ فرمود الحمد للہ کہ محفوظ است و حال صحیح دارد۔

و می گویند کہ جنید رضی اللہ عنہ در واقعۂ محنت غلام خلیل درمیان

فقہا رفت وبمذہب سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ درآمد وباین حیلہ خود را از شر
آں خدا بے خبراں خلاص کرد۔

دیگر ابوالحسن نوریؒ تا بود باوے درمقام ناز وعتاب بود ومی گفت
شما درمیان فقہا وعلما رفتید ومیانِ ما دیوانگاں وبلا آشاماں نہ درآئید وسخن
ایں راہ نگوئید واللہ اعلم۔

ونیز از یکے از اربابِ احوال کہ در طبقۂ مشائخ جنید بود رحمۃ اللہ علیہم
می آرند کہ شبے اورا حاجتِ غسل بود وہوا درغایتِ سردی وبدنش درنہایت
ضعف، نفس درغسل کردن گرانی نمود وسستی کرد پیش برغمِ نفس ہم بازندہ کہ دربرداشت
درحوضِ آب کہ تمام یخ بستہ بود افتاد چنیں آوردہ اند کہ آں ژندہ کہ بروے
بود درغایت گرانی بود۔ مبالغۃً گفتہ اند یا بحقیقت واللہ اعلم کہ یک شتر بار
بود دیگر وے آں ژندہ را خشک نکرد وہم دروے می نشست وبخواب می رفت
تا بعد از مدتہائے مدید ہم بربدن او خشک شد۔ ایں جامی گویند کہ ایں تعذیب
نفس است۔ ویک اعتراض دیگر دارند کہ بارے ایں نوع ژندہ .....
پوشیدن از کجا آمدہ است۔

واز عزیزے دیگر می آرند کہ پائے برہنہ بحج می رفت، واگر خارے بپایش
می خلید بیروں نمی آورد، وچشمش بدرد می آمد ہم باآں نمد وصوفے کہ در
برداشت پاک می کرد تا رفتہ رفتہ پایہاش اماس کرد وبصرش برفت وکارش
بہلاک انجامید۔

واز عزیزے دیگرے ہم نقل می کنند کہ مدت سی سال نفسش شہوت طعامی

مخصوص داشت راضی نشد که نفس را ازاں طعام بدہد و قضائے آں شہوت کند۔

و از دیگرے ہم می آرند کہ گرسنہ بود بعد از چند روز دانۂ انگوری یا برگ تری بر زمین افتادہ یافت نفسش بحکمِ اضطرار آں دانہ را یا آں برگ را از زمین برداشت و در دہن افگند، و وے بمکافات ایں کار نفس را تا دو سہ سال در بوتۂ ریاضت می گداخت و بآتش گرسنگی می سوخت وامثال ایں حرکات و افعال از اربابِ سکر و حال و اصحابِ ریاضات و مجاہدات بسیار منقول است و ایشاں را در اینجا قصد ریاضتِ نفس و تحقیقِ حال و رسیدن بکنہ اوست، و اینہا را از ابواب معالجاتِ نفس می دارند و مقرر است کہ علاج بضد باشد و طبیعتِ نفس چناں واقع است کہ تا کار بروے ایں چنیں سخت نکنند و تنگ نگیرند، وے بمرتبۂ اعتدال نرسد و راضی نمی شود۔ و اگر معاملہ با نفس برخصت کنند بدائرہ حق نیاید، و اگر مطالبہ بعزیمت کنند برخصت آید۔ چنانکہ مثل مشہور است کہ برائے مرگ گیرند تا زحمت اختیار کند۔

علما و فقہا دریں جا گویند کہ تعذیبِ نفس و تحریم حلال و تجاوز از حد است و آں بحکم نصِ قرآن و احادیث ممنوع است کما قال اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝

و نزول ایں آیتِ کریمہ در آنجا است کہ جمعے از صحابہ رضی اللہ عنہم بہ نزد۔

Marfat.com

پیغمبر آمدند صلی اللہ علیہ وسلم، وگفتند یا رسول اللہ می خواہیم کہ طعام ترک کنیم و از اہل و عیال کنارہ گیریم و سر بصحرا نہیم و آوارہ شویم، فرمان آمد کہ لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ واحادیثِ دیگر ہم در بابِ رفق و مداراتِ نفس بسیار است۔

جواب آنست کہ احادیث ہم چنانکہ در بابِ رفق و مدارات نفس وارد است، در بابِ مخالفت نفس و ہوا و ارتیاض و صرف عنان وے از لذات و شہوات نیز واقع شدہ است، و اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ریاضات و مجاہدات و تحمل شدائد و مکابدات و تجرع مرارات فقر و فاقہ و جوع و عطش چنداں بود کہ ہیچ کس را مجال مشارکت و مساہمت با ایشاں دراں راست نیاید، اول سیری خود در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصلا نبود و در بعضے غزوات حال بر ایشاں چناں تنگ بود کہ شکنبہ شتر ا را می عصر میکردند تا قطرۂ چندے از وے می چکید و دہنے تر می کردند و منع از تجرد و انفراد و رہبانیت دراں وقت از برائے تاکید اجتماع و اتفاق بر جہاد و تاسیس بنائے اسلام بود کہ مطلوبِ اصلی و مقصودِ کلّی در آں زماں ہماں بود، وبحقیقتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم بمشاہدۂ جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم و کمالِ ایمان و قوتِ یقین و ارتفاعِ حجاب و زوالِ ارتیاب مستغنی بودند از مکابدتِ نفس و تکلفِ ریاضت اِذَا طلع الصباح استغنی عن المصباح۔

و باوجودِ آں منقول ست کہ شربتے بنزد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

آوردند، تناول نکرد، وگفت نترسم که از آنها نباشم۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا در شانِ ایشان ست، واحوال فقر و شدت اصحابِ صفه که لفظاً و معنی مستند و متمسک طائفہ صوفیہ صافیہ علیہ قدس اللہ اسرارہم اند خود معلوم است کہ چہ بودہ است۔

وقصۂ ابولبابہ انصاریؓ را خود چہ گوئی کہ بجہتِ تصحیح توبہ واعتذار از جنایتے کہ از وے در حق خدائے عزّ شانہ و رسول علیہ السلام در قضیۂ بنی النضیر بوجود آمدہ بود و خود را باسطوانۂ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بربستہ و ترکِ طعام و آب کردہ بود و بغلبۂ جوع و عطش کور و کر شدہ و عہد کردہ بود کہ تا رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام آمدہ بدست خود نکشاید ازینجا نروم۔ وآنحضرتؐ در حق وے فرمود کہ من چہ کار کنم، اگر وے اول نزدِ من آمدے برائے او استغفار کردمے واز پروردگار آمرزش خواستمے وچوں او خود را بدرگاہِ خدا بربستہ ہم مگر فضل وے بند ویرا بکشاید، من نتوانم کشاد۔ بعد از دہ یا دوازدہ روز واللہ اعلم قرآن بقبول توبۂ ابولبابہ نازل شد۔ پس آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام بیامد و بند ویرا بکشاد۔

اکنوں بنگر کہ ایں بربستن ابولبابہ خود را باسطوانۂ مسجد و ترکِ طعام و آب کردن و در آمدن در معرضِ ہلاک چہ بود شریعت بودنے در شریعت توبہ و ندامت و عزم است فقط اینہا داخل توبہ نیست۔ اگر تعذیبِ نفس و تشدید و تجہید وے در مقام مجاہدہ و ریاضت حرام و منہی عنہ است چرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم او را ازاں منع نفرمود و ازاں باز نداشت

این نبود مگر غلبۂ حال و سکر و وجد و صحابہ را رضوان اللہ علیہم نیز غلبات حال بود و مستیہا بود آخر تواجد و رقصِ بلال در مسجد نزد نزول آیہ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

و منع عمر بن الخطابؓ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام را از صلحِ کفار در روزِ حدیبیہ و عدم شکر و امتنان عائشہ صدیقہؓ از آنحضرتؐ در نزولِ قرآن و طہارتِ ذیل و براءتِ حالِ وے رضی اللہ عنہا در قضیۂ افک و قولِ معاذ بن جبلؓ نزد جریان ذکر و باکہ وے رحمت است، مر این امت را خداوندا معاذ را و اہلِ معاذ را ازیں رحمت فراموش مکن، و قولِ او در وقت طریان اغما و سکراتِ موت اِخْنُقْ خَنْقَکَ فَوَعِزَّتِکَ لَتَعْلَمُ اَنِّیْ اُحِبُّکَ این ہمہ از مستی وجد و غلبۂ حال بود واللہ اعلم

(۱۲) وصل از بعضے مشائخِ طریقت کہ سالکان طریقِ توحید و توکل بودہ اند آمدہ است کہ بے توشہ و بے رفیق در بادیہا و بیابانہا کہ غالب در آنجا خطرِ جان و خوفِ ہلاک باشد در آمدہ اند و حائر و ہائم گشتہ و فقہا را با ایشاں نزاع است کہ چرا چنیں کنند و اسبابے کہ حکیم مطلق خلق فرمودہ است ترک دہند و نفس را در تہلکہ بیندازند ایں ہمہ خلافِ سنت است۔

جواب ازیں سخن آنست کہ اسبابے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ بحکم جریانِ عادت خلق فرمودہ است و مسببات را با وے ربط دادہ و وابستہ گردانیدہ سہ قسم است۔ قسمے ازاں یقینی است کہ ارتباطِ فعل و توقف آں بر وے

ضروری ست وسقوط وتجاوز ازاں از محالاتِ عادی وہیچ یکے را
ترک آں ممکن ومیسرنہ، وترک آں موجب اثم است۔ چنانچہ لقمہ برداشتن
در دہان نہادن وخائیدن وفرو بردن وترک ایں اسباب داخلِ
توکل نیست بلکہ جہل وسفہ است، مگر آنکہ حق تعالیٰ در باب یکے خرقِ
عادت کند وبطریقِ معجزہ وکرامت اسقاطِ آں فرماید۔
قسم دوم اسبابِ ظنیہ است کہ غالب بر حکم عرف وجریانِ عادت
از اںد خلے وسببے ہست ولیکن ایں قسم باختلافِ طبائع واعتیاد و
ریاضت وتفاوتِ قوی وہمم افرادِ انسانی مختلف گردد مثلاً یکے باشد
کہ بقوتِ طبیعت وصرف ہمت تا سہ روز یا پنج روز یا زیادت برآں
طاقتِ جوع تواند آورد، ویکے دیگر باعتیاد وریاضت خود را برآں آوردہ
کہ دہ روز او را حاجتِ طعام نشود وگرسنگی کار نکند، واگر شود بخوردن
برگہائے درخت وگیاہائے جنگل وامثالِ آں دفع گرسنگی کند یا امتلاء و
احتشائے باطن بنورِ یقین وغذائی روحانی وغلبۂ عشق ومحبتِ الٰہی۔
چنانچہ از یکے مشائخِ طریقت پرسیدند کہ مَا الْقُوْتُ قَالَ ذِکْرُ الْحَيِّ
الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ۔ وباحصولِ ایمان بارادتِ حق وتقدیرِ وے
ارزاق وآجال ویقین بآنکہ سببِ حقیقیِ حیات وبقائے بنیہ قدرت
باری تعالیٰ است نہ طعام وشراب۔ پس اگر یکے اعتیاد وبتحمل جوع
دہ روز کردہ باشد ووے مسافت دہ روز را بے توشہ سیر کند چرا آثم گردد
وتارکِ واجب شود قیاس حال وے باسائر ناس کہ در تحمل جوع وعطش

یک روز عاجز آیند درست نباشد۔

و از مشائخ طریقت بصحت رسیده است که ایشان را بریاضت و اعتیاد طے اربعین بتدریج و ترتیب در مدتے معین حاصل شده است۔ پس سالکان که بمرتبۂ توکل و یقین رسیده اند و ریاضت و مجاهده کرده، و ایشان را مشاهدۂ توحید دست داده، و در حقِ ایشان وجوبِ رعایت این اسباب و علل ساقط باشد۔ واللّٰہ اعلم۔

از بزرگے می آرند که او را با درگاهِ خداوندی جل شانہٗ عهد بود که تا ده روز یا زیاده ازاں چنانچه در نقل آمده است بے طعام و شراب بسر برد، اتفاقاً در سفرے از اسفار تا ده روز بگرسنگی بسر برد بعد از ده روز بر زمین افتاد و عاجز شد، و پائے از رفتن بسته شد و قوت سیر نماند، دست بمناجات بر آورد و گفت: بار خدایا ده روز گذشت، الحال طاقتِ گرسنگی نماند، حکم چیست؟ فرمان آمد: که تو قُوت می خواهی یا قوّت؟ گفت: مقصود اصلی قوّت ست که بداں راه توانم رفت۔ گفت ما قوّت دهیم تو غم مخور۔ دیگر وے تا مدتے که خدا خواسته بود بے طعام بسر می برد و بغلبۂ قوّتِ روحانی و تقویت و تائید ربّانی سیر می کرد۔

و قسم ثالث اسباب وهمیه است که مجرد وهم حاکم است که اگر مباشرت این اسباب نکنم هلاک شوم چنانچه گوید که اگر امروز تهیۂ اسباب فردا نکنم چه حال شود و چگونه بسر برم۔ این مجرد وهم است، و اتباع و رعایت این اسباب منافی توکل است، مگر در جائے که غالب فقداں آں باشد

ایں باز راجع باسباب عادیہ می شود و حکم آں معلوم شد، مثلاً اجتناب از درآمدن در بادیہ کہ وجود سبع درآنجا بحکم عرف و عادت غالب است از اسباب عادیہ است و در بیابانے کہ ہرگز کسے درانجا وجود سبع ندیدہ الا نادرا مگر بمجرد توہم واحتمال آنکہ شاید برخلاف عادت وجود وے اتفاق افتد وہلاک کند کہ ایں حکم وہم است و منافی حقیقت توکل ست۔ وہم چنیں خواب در سیل آب و مکانے کہ بحکم عادت محل جریان سیل است ظنے است۔ و در جائے کہ سیل اصلا نمی آید ولیکن در نفس الامر امکان عقلی دارد کہ شاید بیاید وہمے است۔ هٰذَا هُوَ الْقَوْلُ الْفَصْلُ وَعَلَيْهِ التَّعْوِيْلُ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ۔ وبالجملہ توقف و تسلیم در اقوال و افعال ارباب احوال کہ صادقان راہ و متوجہان درگاہ اند، وعلم و تقویٰ و دیانت ایشاں معلوم شدہ است انسب واسلم است۔ وخوض دراں باب بہ رد و انکار بے مصلحت و ضرورت محل خوف و خطر است۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ۔ ادنیٰ مرتبہ در حق ایں طائفہ سواء بسواء است۔ لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ۔ واگر توفیق رفیق شود و بر سر کار اطلاع بخشد، واز احوال و مواجید ایشاں در باطن پیدا شود آں خود بابے دیگر و سعادتے دیگر است تا نصیب کیست، بارے تو اعتقاد و ایمان از دست مدہ۔ قَالَ سَيِّدُ الطَّائِفَةِ جُنَيْدُ الْبَغْدَادِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الْاِيْمَانُ بِطَرِيْقَتِنَا هٰذِهٖ مِنَ الْوَلَايَةِ۔ توسط و اعتدال اصل و راس ہر کمال ست واللہ الموفق

ابیات لمؤلفہ

اے کہ از کش نکش قال و مقال　　نیستت حالتِ اربابِ کمال
(۲) نشنیدہ زکساں جز خبرے　　(۱) ہیچ نایافتہ در خود اثرے
قابلِ کار نۂ معذوری　　یا خود از کوششِ آں بس دوری
باش کیں راہ گذاے دگراست　　ہر کسے قابلِ کارے دگراست
لیکن اندر پے انکار مرو　　از جہاں منکرایں کار مرو
بنگر حالتِ درویشاں را　　کوشش و شورشِ عشق ایشاں را
کہ دریں رہ چہ طلبہا دارند　　زیں طلبہا چہ تعبہا دارند
زیں طلب گر نہ خدا یافتہ اند　　ایں ہمہ بہر چہ بشتافتہ اند
در طلب اینہمہ جانبازی چیست　　مالِ و اسباب فداسازی چیست
کشف اگر نیست قیاسِ تو کجاست　　عقل کو درکِ حواسِ تو کجاست
بارے اَرِنی ست ترا وجدانے　　معتقد باش و بیارا یمانے

(۱۳) **وصل**: اکنوں اگر نقل از کلام مشائخ بیاریم، موافق و مقوی آنچہ ذکر کردیم مناسب باشد، تا طالب را شکے و ریبے در حق نماند و در کتب تصوف کہ صحت آں مجمع علیہ طریقین و متفق علیہ فریقین است تصریح بداں موجود است، ولیکن ببا از کتاب قواعد الطریقت فی الجمع بین الشریعت والحقیقت تصنیف الشیخ الامام الہمام قدوۃ المتاخرین وحجۃ المتقدمین صاحب الطریق القویم والداعی لخلق اللہ الی الصراط المستقیم الامام العالم العامل الکامل القیم المعدل الفاروق شہاب الحق والحقیقت والشرع والدین سیدی احمد المغربی البرنسی عرف بہ زروق کہ از اکابر علمائے وقت و

و اعاظمِ مشائخ مغرب و مسلم جمیع مشائخ دیارِ عرب بود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃً کاملۃً نقل کردہ ایم، و چوں اہلِ حق و اربابِ تحقیق ہمہ بریک کلمہ اند، نقل کلام از یکے نقل از ہمہ خواہد بود، و چوں عنوانات مسائلِ کتاب مذکور بلفظ قاعدہ بود، ما نیز ہماں قاعدہ را نگاہ داشتیم۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) **قاعدہ**: حکمِ فقہ عام است یعنی شامل است مر تمامہ خلق را و خواص و عوام محکوم اند بداں زیرا کہ مقصودِ وے اقامتِ مراسمِ شریعت و اعلائے اعلام دین و ملت است، و بنائے فقہ بر علم است و لہذا قواعد و ضوابط آں کلیہ است کہ باختلافِ افراد و اشخاص مختلف و متغیر نشوند۔ و حکمِ تصوف خاص است یعنی مخصوص است باہلِ قرب و خصوص، زیرا کہ آں معاملہ ایست میانِ پروردگار و بندہ، و مدارِ ایں بر ذوق و حال است و احکام آں جزئیات است کہ باختلافِ احوال و مواجید و اذواق مختلف گردد۔ و ازینجا است کہ حکمِ فقیہ و انکارِ وے بر صوفی جاریست و انکارِ صوفی بر فقیہ صحیح نہ۔ و صوفی را رجوع بفقیہ ضروری ست در احکام، تا بدان عمل کند، و در احوالِ حقائق تا مخالفِ شریعت نیفتد، چنانچہ فرمود كُلُّ حَقِيقَةٍ رَدَّتْهَا الشَّرِيعَةُ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ۔ و فقیہ را در احکام رجوع بصوفی نہ۔ پس تصوف بفقہ محتاج است، و فقہ از تصوف مستغنی۔ اگرچہ تصوف اعلیٰ و ارفع است از فقہ در مرتبہ، ولیکن فقہ اسلم و اعم است در مصلحت، و ازینجا گفتہ اند کہ كُنْ فَقِيهًا

صُوْفِیًّا وَلَا تَکُنْ صُوْفِیًّا فَقِیْھًا۔ یعنی اول دادِ فقاہت وعملِ شریعت وحفظِ ظاہر بدہ، بعد ازاں بمقامِ تصوف واتصاف بحقیقت وتصفیۂ باطن عروج کن، زیرا کہ ایں اکمل واتم واسلم است، عَمَلًا وَحَالًا وَذَوْقًا وَلَا تَکُنْ صُوْفِیًّا فَقِیْھًا۔ یعنی ہم از اول تعلق بحقیقت وتوحید ومواجید باطن بکن کہ بعد از وے رعایت ظاہر واتباع شریعت استحکام نخواہد پذیرفت، چنانچہ فرمودہ اند: وَلَا یَقْدِمُ الْبَاطِنُ عَلَی الظَّاھِرِ وَلَا یَکْتَفِیْ بِالظَّاھِرِ عَنِ الْبَاطِنِ۔ وصیت این ست کہ مرید را باید کہ باطن حقیقت را بر ظاہر شریعت مقدم ندارد تا بمذہب باطنیہ نرود وبالحاد نکشد معاذ اللہ۔ وبظاہر از باطن اکتفا نکند تا از اہلِ قشر وتقشف نشود، وبر فقاہت صرف متوقف نماند واز انوار واسرار محروم نگردد، ونیز رجوع از فقہ بتصوف باعث طلبِ مزید وشوقِ ترقی وتعطش کمال آسان است ولیکن رجوع از تصوف بفقہ بعد از استیلائے ذوق باطن وغلبۂ حقیقت دشوار۔ پس اول تمسک بعروۂ وثقائے شریعت وفقاہت کند، بعد ازاں بذروہ علیائے حقیقت وتصوف برآید۔

فقاہت مرتبۂ اسلام است وکلام درجۂ ایمان وتصوف مقامِ احسان۔ چنانچہ در حدیثِ جبرئیل علیہ السلام ایں ہر ۳ مقام مبین ومفصل است کہ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ رَبَّکَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ الحدیث قَالَ الْاِمَامُ مَالِکٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ یَتَفَقَّہْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّہَ وَلَمْ یَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَیْنَھُمَا

فَقَدْ تَحَقَّقَ۔ و بالجملہ مرتبۂ کمال فقہ صحیح و ذوق صریح است، وانفراد ہر یکے از دیگرے موجب انحطاط و نقصان، چنانچہ علمِ طب بے تجربہ آں کفایت نکند و تجربۂ طب بے علم آں صورت نہ بندد۔ واللہ اعلم۔

(۲) **قاعدہ**: تشعب اصل و تفرق آں موجب تشعب و تذبذب فرع است، لاجرم توحید وجہ و تحقیق مستند باید کرد و فرع را با اصل کہ رجوع و اعتماد بداں افتد مضبوط باید ساخت تا جدے و جہدے در کار پیدا شود، و فتحباب روئے نماید، چہ در فقہ و کلام، و چہ در تصوف و توحید، امام و متبوع و شیخ یکے باید۔ پس آنچہ گفتہ اند کہ اَلصُّوْفِیُّ لَامَذْھَبَ لَہٗ، صحیح نباشد مگر باعتبار اخذ اولی و احوط از روایاتِ مذہب واحد کہ التزام اتباعِ آں کردہ است۔ اگرچہ قول جمہور ائمہ آں مذہب نباشد، و جمیع ائمۂ طریقت و اساطینِ ملت تابع مذہبِ فقہا بودہ اند۔ چنانچہ سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہٗ در مذہب ابی سفیان ثوریؒ بود، و حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ در مذہب امام احمد حنبلؒ، و حضرت شیخ شبلیؒ در مذہب امام مالکؒ، و جریریؒ در مذہب امام اعظمؒ، و حارث محاسبیؒ در مذہب شافعی بودند قدس اللہ اسرارہم و رضی اللہ عنہم اجمعین۔ و آنکہ گفتہ اند کہ مذہبِ صوفی در فروع تابع اصحابِ حدیث است، باعتبار آنست کہ از مذہبِ خود عمل بروایتے کند کہ موافق نصِ حدیث یابد۔ و آں نیز بر تقدیرے کہ مخالف احتیاط و مفارق ورع نیفتد، و اگر جمع در مذاہبِ علما در بابِ رشد و احوط نماید نیز صورت جواز دارد ولیکن تتبع رخص اصلا جائز نباشد۔ واللہ اعلم۔

(۳)، **قاعدہ**: اعتبار فرع باصل و قاعدہ است، و اصل و قاعدہ کتاب و سنت است۔ پس ہر قولے کہ بود از ہر قائلے کہ باشد فقیہ یا متکلم یا صوفی اگر موافق اصل و قاعدہ است قبول نمایند، والا اگر متاہل رد است رد کنند واگر قابلِ تاویل است براہ تاویل روند، واگر تاویل پذیر نبود، اگر قائل آں در علم و دیانت کامل است تسلیم نمایند، و بر ہر تقدیر قادح اصل و معارض قاعدہ اش ندارند، زیراکہ فساد فاسد ہم بوے راجع شود و در صلاح صالح ضررے نکند۔ پس غلاتِ صوفیہ حکم اہلِ ہوا از متکلمین و متفقہ مطعونین داشتہ باشند، قول و فعل ہیچ یکے از ینہا مسلم و مقبول نیست بلکہ رد قولِ ایشاں لازم و اجتناب از فعلِ ایشاں واجب است ترک مذہبِ حق و توقف و تردد در ثابت بالیقین بقولے و فعلے کہ از ایشاں منقول و بر ایشان منسوب باشد جائز نبود۔ کائناً مَن کَانَ دُنبالِ ہر کس نتواں رفت و گوش بسخن ہر کس نتواں نہاد۔ متبوعِ حقیقی شارع است، و ہر کہ غیرِ اوست تابع وے و حجت کتاب و سنت است، و ہر چہ درائے آں راجع بداں۔ واللہ اعلم۔

(۴)، **قاعدہ**: اشکال و ابہام اگر لازم کلام است بحیثیتے کہ بے تامل و تکلف مخطور شود و لازم آید، حکمش آنست کہ در قاعدۂ سابق مذکور شد والا اگر الزام و ایراد اشکال بتکلف و تامل است و ظاہر کلام صحیح و واضح است اعتبار ندارد۔ زیراکہ خلو کلام از عروض اشکال بعد از تامل و تکلف در ایجاد و ایراد آں نادر و اقلِ قلیل است، واگر لزوم اشکال و

عدم آں درفہم وتبادر متجاذب ومتساوی اند۔ لاجرم برحکم تجاذب کلام نیز مشکوک ومتنازع فیہ باشد ووجود اشکال در کلام گاہے بسبب ضیق حوصلہ عبارت از انساع جوہر معنی باشد وگاہے بعلتِ فساد اصل واختلال مقصد بود وکثرت وجود اشکال وایہام در کلام ایں طائفہ بحقیقت از قسمِ اول است، زیراکہ مقصد ومقصود ایشاں در غایتِ نزاکت و بلندی است، ہرچند کہ در افصاح وایضاح آں کوشند مشکل تر وموہم تر گردد۔ ونزد منکران از قسمِ ثانی است وہر کدام معذور است منکر معذور تر است ومعتقد اگر پرحذر ومتحاشی نبود نیز در خطر است امن وسلامت در تفویض و تسلیم است واللہ اعلم

(۵) **قاعدہ**: بنائے علم بر بحث وتحقیق است وبنائے حال بر تسلیم وتصدیق۔ پس عارف اگر تکلم از حیثیت علم کند نظر در اصولِ علم کہ کتاب و سنت وآثار سلف است، لازم افتد زیراکہ اعتبارِ علم باصل ودلیل وے بود۔ اگر تکلم از حیثیتِ حال آید از تسلیم ایں حال بروے چارہ نیست، زیراکہ وصول بدان وعلم بحقیقتِ آں جز بمثلِ آں حال میسر نہ گردد وممکن نباشد۔ پس اعتبار آں بذوق ووجدان وے باشد وعلم بدان مستند یا مانت صاحبِ حال بود، وباوجود آں اتباع واقتدا نشاید، مگر در حق کسے کہ دریں حال باوے یکے بود، یکے از استادانِ طریقت با مرید خود می فرمود یَا بُنَیَّ بَرِّدِ الْمَاءَ فَاِنَّ الْمَاءَ الْبَارِدَ یُخْرِجُ الشُّکْرَ مِنْ صَمِیْمِ الْقَلْبِ۔ اے پسرک من آب را سرد کردہ بخور، کہ خوردنِ آب سرد شکر از

درونِ دل برآرد، گفت، پس درحق آں مرد یعنی سری سقطی قدس سرہٗ چہ گوئی
کہ بر کوزۂ آب وے آفتاب آمد برنداشت وگفت شرم دارم از خدائے تعالیٰ
کہ برائے حظِ نفسِ خود کوزہ بردارم۔ فرمود وے صاحبِ حال است اقتدا
بوے راست نیاید۔ واللہ اعلم۔

(۶) **قاعدہ**: واجد و صاحب حال چوں وجد و حال وے بجائے رسد
کہ زمام اختیار از دست رود، و مالک نفس نماند معذور است و وے در
آں حالت حکم مجنوں دارد در حق سقوط اعتبار افعال و عدم جریان
احکامِ تکلیفیہ۔ اما بر تقدیرے کہ وجد و حال وے محقق و صحیح بود از
شائبۂ تکلف و اختیار معرا، و آنچہ از وے دریں حالت فوت شود، استدراک
فائت و قضائے ما فات بروے لازم گردد باعتبار وجود کسب و اختیار در
تسبب و مباشرت اسباب مثل سکران اگرچہ در حالتِ سکر قدرت و
اختیار ندارد و لیکن چوں تحصیل ایں حالت بارتکاب و اختیار او ست قضائے
فوایت بروے واجب بود بخلاف مجنونِ اصل و باوجود عذر و رفع مواخذ
اقتدا بداں فعل جائز نباشد، و متابعت وے روا نبود۔ مثل تواجد حضرت
ابوالحسن نوریؒ نزد سیاف و وقوف حضرت ابو حمزہؒ در چاہ و حال حضرت
شبلیؒ در حلق لحیہ و خرق ثوب جدید و القائے مال در بحر و امثال آں از
ظواہر اعمال ایشاں کہ بغلبۂ وجد و حال چنانچہ از عنوان ایشاں حکایات
لائح است صدور یافتہ و رقص و تواجد در سماع نیز ازیں باب است
اگر بے شائبۂ تکلف و مدخلیت اختیار و قصد مخالفت بوجہے کہ

Marfat.com

صبر و ثبات ازاں ممکن نباشد صادر گردد، واز حیطۂ ضبط و مجال حفظ خارج بود، صاحب آں معذور است۔ وحالِ وے بر تقدیر تحقیق و صحت مسلم بے مبالغہ در انکار و تعصب در اعتقاد۔ وچوں امرأتِ مجنونہ بحضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم آمد، واز صرع وجنونے کہ داشت واز انکشافِ عورت وحرکاتِ شنیعہ کہ دراں وقت از وے صدور می یافت، شکایت کرد۔ فرمود: اگر خواہی صبر کن تا ترا بجزائے ایں بلا و محنت بہشتِ بریں دہند، واگر خواہی دعا کنم واز پروردگار تعالیٰ درخواہم کہ شفایت دہد و ازیں بلایت خلاص گرداند۔ وآں زن راضی شد کہ صبر کند و بہشت رود۔ پس تخییر حضرت اورا در صبر بر جنون وطلب شفا وتقریر و تسلیم وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورا در اختیار جنون دلالت دارد بر معذوریت وعدم تضررِ وے بصدورِ حرکاتِ نامرضیہ دراں حال۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(۷) **قاعدہ**۔ ثبوت مزیت وکمال موجبِ رفع احکامِ تکلیفیہ وسقوط حدودِ شرعیہ نیست، واجرائے حدود واحکامِ شرع مستلزمِ رفع خصوصیت وانکار مزیت نہ۔ ہر کہ بروے حقے از حقوقِ شرع یا حدے از حدودِ آں لازم آید۔ اثباتِ آں حق واقامت آں حد بروے باید کرد ولیکن بشرط رعایت ضبط واعتدال وتحرز وتجنب از مبالغہ وافراط وتجاوز از حد و حفظ حرمتِ ایمانیہ وعزتِ اسلام وانتساب وے بجنابِ حق وباحتیاط واحتراس تمام در اقامتِ حد براں وجہے کہ فرمودہ وامر کردہ اند بے زیادت ونقصان وافراط وتفریط نیابۃً عن صاحب الشرع

وبسا کس کہ تجاوز واعتدا از حد اعتدال در اقامتِ حدود واجرائے احکام بر اہلِ خصوص وارباب کمال کہ منتسبان جنابِ حق ومقربان درگاہِ الٰہی مقرر شدند، بحیثیتے کہ تلافی وعلاج بعد ازاں ممکن نشد، وایں تضرر نہ بجہتِ اقامتِ حق شد، بلکہ بجہتِ تجاوز از حق، وارتکاب معصیت واقامتِ حد منافی مرتبۂ خصوص ورتبۂ ولایت نیست، مادام کہ بحدِ فسق واصرار دامان نکشد۔ لَا تَلْعَنْہُ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ وازیں جہت حضرت شیخ شبلیؒ بقتل حلاّج فتوٰی دادند وجریری بضرب واطالت بسجن امر کردند وو ے یعنی حلاج قدس سرہ گفت کہ بر مسلماناں ہیچ کارے مہم تر وبمصلحت نزدیک تر از قتل وے نیست، تا حق نصیحتِ دین تبرئہ ساحت آں از دعاوی زنادقہ وملاحدہ بجا آرد، نہ برائے اقرار بر نفس واعانت بر قتل وے۔ واللہ اعلم۔

(۸) قاعدہ: اعتقاد کمال مطلق کہ ہیچ وجہ نقصان رابداں راہ نباشد مستلزم انکار وتنقیص است، بدانچہ موجب نقصان نیست بر ہیچ کس اعتقاد کمال مطلق نباید کرد، چہ آدمی خالی از نقصِ بشریت نبود، و عصمت مخصوص انبیاست وشرطِ ولایت نیست ووجود خطا ومعصیت بے اصرار وانہماک منافی مرتبۂ قرب ودرجۂ ولایت نہ۔ از حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ پرسیدند: ھَلْ یَزْنِی الْعَارِفُ؟ ساعتے سر در گریباں تامل فرو برد، بعد ازاں سر بر آورد وگفت: وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔ یعنی اگر سابقۂ ازل وتقدیرِ الٰہی چنیں رفتہ باشد

کہ ایں معصیت از وے بوجود آید چہ چارہ است۔ آخر توبہ و انابت رجوع ازاں خواہد کرد، چہ ہلاک بندہ در خطا و معصیت نیست بلکہ در ترک توبہ و رجوع است۔ چنانچہ از حال آدم و ابلیس بظہور می پیوند۔ و شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری صاحبِ کتاب الحکم قدس سرہ می فرماید: کہ اگر فرضاً سوال ازیں کردندے کہ اَتَتَعَلَّقُ هِمَّةُ الْعَارِفِ بِغَيْرِ اللهِ۔ البتہ جواب دادے کہ لا تتعلق۔ زیرا کہ تعلق ہمت بما سوی اللہ منافی و مناقض عنوان معرفت و ولایت است۔ اگر ہمت بغیر حق متعلق شود معرفت نماند و عارف نبود۔ واللہ اعلم۔

(۹) **قاعدہ**: ارتکابِ حرام از برائے دفع مکروہ و مباحے کہ در وے خوفِ فتنہ و ظنِ آفت باشد بے جزم و تیقن بوقوع آں جائز نباشد مثلاً اگر یکے بقصد خمول و گمنامی و اسقاطِ نفس از نظرِ خلق ارتکاب مناہی ملاہی کند، اگر حرمتِ آں متفق علیہ علماء است جائز نباشد، اگر مختلف فیہ است کارِ آسان است، چنداں حرج و دشواری ندارد۔ و اگر متضمن مصلحتِ حمیدہ است و غرضے صحیح باشد، از اہلِ تجرید و معرفت صورتِ جواز دارد، و آں نیز بدو شرط یکے آنکہ خلاف راجح و حکم و فتوی مذہب وے کہ تقلید و اتباع آں می کند نباشد۔ و شرطِ دیگر آنکہ طرفین اختلاف قوی باشد بمجرد قولِ غریب و مذہبِ ضعیف عمل نتواں کرد۔ ایں جا غلاتِ صوفیہ از جائے روند، نظر بر مصلحتے کہ در خلافِ نفس اندیشیدہ اند مقتصر دارند۔ و بہ حکایاتے کہ از بعضے اربابِ احوال منقول است تمسک نمایند و لیکن محققانِ

Marfat.com

ازاں منع کنند - و می گویند کہ قصّہ لصّ حمام و امثال آنرا چہ گوئی ؟ کہ آں مردِ عارف دزدی کرد، کہ باتفاق در شرع شریف حرام است تا از نظرِ مردم ساقط گردد و از ازدحامِ خلق و ہجوم عوام خلاص یابد۔

قصہ لصّ حمام آن ست کہ یکے از مشائخ کہ بزہد و صلاح مشہورِ وقت و مرجع اہل روزگار خود بود، چوں رجوع خلق و تعظیم و اکرام ایشاں نسبت بخود بسیار دید خواست کہ ایشانرا از سر خود وا کند حیلہ برانگیخت تا ایشاں گرد وے نگردند، بحمام رفت و جامہ شخصے را برداشت و بپوشید، و بر سرِ راہ آمد و بایستاد- و صاحبِ جامہ چوں از حمام برآمد و تفحص جامہ نمود- جامہ را در بر وے یافت زیر ژندہ پوشیدہ، بگرفت و بزد و اہانت کرد تا تمامہ مردمِ شہر شنیدند کہ شیخ دزدی کرد و خوار شد و ہمہ بے اعتقاد شدند و بارِ دیگر گردِ وے نگشتند۔

جوابش آنست کہ ایں برداشتن جامہ و پوشیدن آں نہ از قسم سرقہ است کہ در شرع باتفاق حرام و مستوجب حدّ است۔ حقیقتِ سرقہ اخذ مال محرز است بطریق خفیہ و حمام را داخل حرز نداشتہ اند، غایت آں تصرف بود در ملک غیر بے اذن وے با آنکہ مسامحت در جامہ و مانند آں بسیار رود۔ اگر یکے جامہ مسلماں را با اعتقاد مسامحت و اعتماد بر حسنِ خلق وے برداشت و بپوشید چہ شد- آرے اولی آں بود کہ باذن وے صریحًا یا دلالۃً مقید شوند- پس آں فعل مکروہ باشد نہ حرام۔

می گویند پس آنرا چہ گوئی کہ مریدے در حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ

آمد، واز صعوبتِ راه وبستگیٔ کارِ خویش شکایت کرد۔ فرمود کار آسان است
بیک درہم خرج کنی ہمدریں ساعت بمقصد برسی۔ جوز بخر ودر توبرہ بینداز
وتوبرہ را در گردنت آویز، وریش تراش، وبہ نزد اکابر ومعارفِ شہر وجائیکہ
معتقدانِ تو باشند برو، وصبیان را جمع کن وبگو ہر کہ از صبیان بر گردنم سیلے
زند ویرا جوزے بدہم۔ ایں کار اگر کردی از آفات راہ رستی وبمقصود رسیدی۔
گفت سبحان اللہ مثلِ من کسے ایں کار کند۔ فرمود: ہلّا ایں سبحان اللہ تو تنزیہہ
وتقدیسِ نفسِ تو بود نہ ذکر وتسبیح حق را سبحانہ، برو کہ ترا دریں درگاہ راہ نیست۔
جوابش آن ست کہ ایں سخن از حضرت سلطان بایزید بسطامی قدس سرہٗ
بحقیقتِ امر نبود، ووقوع نیافت بل مجردِ امتحان واختبار وآزمایشِ
حال آں شخص بود کہ چہ مقدار بخود اعتقاد دارد وگردِ خود می تند والا چہ صورت
دارد کہ ایشاں بایں فعل امر کنند وبوقوع آرند۔
می گویند کہ تمامہ علماءِ شریعت اتفاق دارند کہ اگر یکے را لقمہ در گلو
بند شود وآب حاضر نبود وکار بمرگ کشد وبہلاک انجامد روا باشد کہ تجرع
خمر کند تا آں لقمہ فرو رود با آنکہ حرمت خمر مجمع علیہ است وہرگاہ سبب
حفظِ حیاتِ دنیا کہ فانی است ارتکابِ محرم جائز باشد بجہتِ تحصیلِ اخلاصِ
طاعت وقرب مولیٰ تعالیٰ کہ سببِ حیاتِ ابدی است چرا درست نبود۔
جوابش آنست کہ قیاس ایں مسئلہ با مسئلۂ غصِ لقمہ درست نیاید
چہ بترک تجرع خمر دریں جا اصل حیات رود کہ مبنیٰ ومدار وجود وبقا موقوف
علیہ تحصیل جمیع کمالات است واعانت بر قتل نفس لازم آید کہ بالاتفاق

در شرع حرام است وجاہ وشہرت حرام شرعی نیست وبوجود وے زبانی کمال رود وآنکہ نیز متیقن نیست وآں افعال وحرکات کہ محققینِ ملامتیہ کنند دیگر است۔ آنجا ازتکاب محرم ومکروہِ شرعی نیست۔

خلاصۂ آں ستر عبادات است، واظہار بعضے عادیات کہ بصورتِ نقص در نظر آید، وپیش از اطلاع برحقیقتِ حال از نامشروعات نماید۔ وباید کہ قصد ونیتِ ملامتی فرار واحتراس از نفس بود نہ تسترِ حال از خلق چہ در تستر از خلق۔ وقصد اخفاء رویت خلق وتعظیم ایشاں است۔ باز ہماں لازم آمد کہ ازاں می گریخت وبحقیقتِ حصول ایں حال مرصوفی راست کہ در اصطلاحِ مشہور ایشاں اکمل واتم از ملامتیہ است، ونظر وے از خلق بالکلیہ سقوط پذیرفتہ است فعلاً وترکاً ووجوداً وعدماً۔ قال الشیخ ابو العباس المرسی رضی اللہ عنہ مَنْ اَرَادَ الظُّهُوْرَ فَهُوَ عَبْدُ الظُّهُوْرِ وَمَنْ اَرَادَ الْخِفَاءَ فَهُوَ عَبْدُ الْخِفَاءِ وَعَبْدُ اللّٰهِ سَوَاءٌ عَلَيْهِ اَظْهَرَهٗ اَوْ اَخْفٰى۔ واللہ اعلم۔

(۱۰) **قاعدہ:** مقصود موافقت حق است نہ مخالفتِ نفس، اگر نفس با حق موافق افتد، وہوا تابع شرع گردد اتم واکمل است: حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ اشارت بداں است: قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِذَا وَافَقَ الْهَوٰى الْحَقَّ فَذٰلِكَ تَشْبِيْهُ بِالزُّبْدِ۔ گفت اگر ہوائے نفس موافق حق گردد ایں حالت مشابہت بشہد یا مسکہ وشیر باشکر دارد کہ بہم آمیزند۔ مثلاً اگر یکے را مادر وپدر بخوردن حلوا امر کنند واز نانِ جویں نہی نمایند، او را ایں حلوا تناول کردن ولذت گرفتن

بہتر و نافع تر آید از نانِ جویں خوردن و ترکِ لذت دادن۔

قومے دیگر در مخالفتِ نفس و مضادتِ وے چنداں مبالغہ کنند و اغراق نمایند کہ در ضمن مطاوی آں مخالفتِ حق لازم آید، و سببِ فوت چندیں طاعات و عبادات گردد، و بعضے از سنن و نوافل کہ نفس باں الفت گرفتہ و اعتیاد کردہ باشد نیز ترک دہند، اگرچہ ایں نیز در باب علاج نفس نافع افتد و اثرے داشتہ باشد، لیکن سلوک ایں طریق تہییج و اثارت باطل کند و صاحبش را براہ عکس مقصود برد۔

و طریقِ مشائخ شاذلیہ آنست کہ ہدایتِ طالبان و تربیتِ مریدان بر موافقتِ طبع و ملاحظہ برفق و راحتِ ایشاں کنند، و علی الفور بجبر و قسر از حالتِ سابق اخراجِ شان نکنند و تشدید در مجاہدہ و ریاضت نفرمایند و از اوراد و اشغال بدانچہ ملائم طبیعت و موافق مزاج طالب افتد دلالت نمایند و مشغول سازند و برفق و راحت و تدریج و آسانی بمنزل مقصود رسانند، و ایشاں می فرمایند کہ ہر کہ سیر وے دریں راہ بموافقت طبع و شاکلہ وے افتد وصول وے بدرگاہ اسہل و اقرب آید و ہر کہ برخلاف حرکتِ طبعی رود ہر اندازہ بعد وے از حیّزِ طبیعت سیرش بطی تر و وصولش دور تر افتد۔

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری صاحب کتاب الحکم در تاج العروس می گوید کہ لَا تَاْخُذْ مِنَ الْاَذْکَارِ اِلَّا مَا یُعِیْنُکَ الْقُوَی النَّفْسَانِیَّۃُ عَلَیْہِ بِحُبِّہٖ۔

Marfat.com

وقطب الوقت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کہ امام ومنتہائے سلسلۂ شاذلیہ است می فرماید کہ: اَلشَّیْخُ مَنْ دَلَّکَ عَلٰی رَاحَتِکَ ودربیان معنی ایں حدیث کہ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا فرمودہ اند یعنی دُلُّوْهُمْ عَلَی اللّٰهِ وَلَا تَدُلُّوْهُمْ عَلٰی غَیْرِهٖ فَاِنَّ مَنْ دَلَّکَ عَلَی الدُّنْیَا فَقَدْ غَشَّکَ وَمَنْ دَلَّکَ عَلَی الْعَمَلِ فَقَدْ اَتْعَبَکَ وَمَنْ دَلَّکَ عَلَی اللّٰهِ فَقَدْ نَصَحَکَ یعنی ہر کہ ترا بدنیا رہنمائی کرد خیانت کرد درحقِ تو، وہر کہ ترا بشدت مجاہدہ وریاضت خواند ترا در تعب ورنج انداخت، وآنکہ بخدائے تعالیٰ ترا راہ نمود بحقیقت ناصح وخیرخواہ تو اوست۔ واللّٰہ اعلم

(۱۱) **قاعدہ**: ہمچناں کہ رعایتِ معنی در لفظ لازم است وقالب لفظ بے روح معنی صحیح ومعتبر نہ کذلک مراعات لفظ بجہت توصیل معنی بذہن وتوضیح وتبیین آں بر فہم سامع واجب ومتحتم است۔ اول تصحیح معنی و ضبط وربط آں در دل باید نمود، بعد ازاں صیانت لسان وحفظ وے در ادائے آں باید کرد، تابیان مقصود لفظاً ومعنیً تمام افتد، واز اشکال و ابہام خالی آید، والا بے ضبط معنی ضلالت لازم آید وبے صیانت لفظ اضلال روئے نماید وبسا باشد کہ محققِ کامل بعلتِ قصور لفظ وعبارت ازادائے ایں معنی مقصود وکشفِ حقیقت بوجہ سلیم از اشتباہ وابہام در ورطۂ اختلاف افتد، ونزد ظاہر بیناں وعبارت پرستاں بکفر وبدعت و فسق منسوب گردد واکثر آنچہ مر ایں طائفہ را خصوصاً متاخرین ایشاں را واقع شود ازیں قبیل باشد وگاہے لزومِ ضرر از رہ گذر عموم اشخاص و اوقات

نیز آید حتی کہ یک حقیقت و یک معنی از مردے معتبر و مقبول افتد و از دیگرے منکر و مردود۔ وہم از یک شخص در وقتے مستحسن و در وقتے دیگر قبیح باتحاد لفظ و معنی و ہمچنانکہ حکم باختلافِ حال متکلم اختلاف پذیرد، تفاوتِ حال سامع نیز معتبر است: حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّکَذَّبُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔

واز حضرت جنید بغدادی قدس سرہ پرسیدند کہ چند کس پیش تو بیایند و از یک مسئلہ سوال کنند تو ہر کدام را جوابے دیگر گوئی این چیست، آخر حکم در یک مسئلہ یکے باشد؟ فرمود: اَلْجَوَابُ عَلٰی قَدْرِ السَّائِلِ کما قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اُمِرْنَا اَنْ نُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔ واللہ اعلم۔

(۱۲) **قاعدہ**: اقتصارِ نظر بر صرفِ حقیقت مخل بوجہ طریقت است، و ہمیں است سبب وقوع قوم در طامات و شطحیات و موجب ورود اعتراض و توجہ انکار بر ایشاں بواضح شریعت و لسانِ علم۔ پس واجب ست احتیاط در قول تا احتراز از غیر کتاب و سنت نکنند و تحفظ در القا تا بیان مقصود بغیر وجہ واضح نمایند، والا منکر کہ مستند باصل وجہ واضح بود، معذور باشد و محل عتاب و ملامت نشود۔

ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ می فرماید کہ بسا باشد کہ نکتہ از کلام قوم در دل می افتد و مدتے براں بگذرد، ہر چند کہ آں نکتہ باقتضائے حسن و لطافتے کہ دارد بزبانِ حال فریاد زند کہ مرا قبول کن۔ قبول نکنم مگر

Marfat.com

بدو شاہد عدل کہ کتاب و سنت است و ہر صوفی کہ معاملہ با خلق بر وجہ مامور و مشروع نکند و صرف وجہ بصرف حقیقت نماید و نظر ملاحظہ و اعتبار نسبتِ الٰہی و شریعت وے کہ بر بندگانِ خود وضع کردہ و امر فرمودہ است نیفگند۔ البتہ از تطرق غلط در اعمال یا شطح در احوال یا ایہام و اشکال در اقوال ایمن نباشد یا خود ہلاک گردد و یا دیگرے را ہلاک کند یا ہر دو ایں حال پیش آید۔ قَالَ بَعْضُ الْعَارِفِیْنَ مَنْ عَامَلَ الْحَقَّ بِالْحَقِیْقَۃِ وَالْخَلْقَ بِالشَّرِیْعَۃِ فَھُوَ صِدِّیْقٌ وَمَنْ عَامَلَ الْحَقَّ بِالشَّرِیْعَۃِ وَالْخَلْقَ بِالْحَقِیْقَۃِ فَھُوَ زِنْدِیْقٌ وَمَنْ عَامَلَ الْحَقَّ بِالشَّرِیْعَۃِ وَالْخَلْقَ بِالشَّرِیْعَۃِ فَھُوَ مُؤْمِنٌ سُنِّیٌّ۔ واللہ اعلم۔

(۱۳) **قاعدہ**: توقف در محل اشکال و اشتباہ کہ دلیلے یقینی درانجا نبود محمود است، و در مقامِ یقین کہ دلیلِ آں قاطع و واضح است، مذموم و مدار و بنائے ایں طریق بر حسنِ ظن و ترجیح دلیل او ست، ہر چند کہ مخالف و معارض داشتہ باشد تا گفتہ اند کہ اخراج ہزار کافر از کفر بشبہہ اسلام درست است نہ اخراج یک مومن از ایمان بشبہہ کفر و در حقیقت بنائے عدم تکفیر اہلِ قبلہ ہم بریں نکتہ است۔ و قومے دیگر براں رفتہ کہ جزم بآنچہ مودائے اجتہاد و مقتضائے دلیل ظاہر است از قبول و انکار واجب و لازم است غایتِ کار تفویض امر باطن است بعلمِ الٰہی و ازیں جاست اختلاف مردم در جماعت از صوفیہ کہ از ایشاں مشتبہات و موہمات فعلاً و قولاً سر بر زدہ فرقہ براہِ انکار رفتند و قومے در مقام

توقف بایستند و در نظرِ حقیقت و انصاف ہر دو گروہ بمقتضائے آنچہ ایشان را روئے نمودہ و بر ایشان ظاہر شدہ است براہِ اولیٰ و احوط می روند۔ یکے از مشائخِ طریقت را پرسیدند کہ مَا تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ ابْنِ الْعَرَبِیِّ یعنی درباب شیخ محی الدین ابن عربیؒ کہ مردم چندیں نزاع و اختلاف دارند تو چہ گوئی و چہ اعتقاد داری؟ جواب داد: ھُوَ اَعْرَفُ بِکُلِّ فَنٍّ مِنْ اَھْلِ کُلِّ فَنٍّ۔ گفت وے عالم تر و ماہر تر است بہر علم و بہر فن از اہلِ ہر علم و ہر فن گفتند مَا سَئَلْنَاکَ عَنْ ھٰذَا اترا ازیں باب نہ پرسیدیم در علم و مہارت و مزیت وے کرا خلاف است۔ سوال از وادی اعتقاد و انکار او ست درباب ایمان و اتباع و ہدایت۔ فرمود: اُخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْکُفْرِ اِلَی الْقُطْبَانِیَّۃِ۔ گفت پس اگر ازیں وادی می پرسید درحالِ وے مردم را اختلاف است از کفر تا قطبیت۔ جماعت او را کافر دانند، و قومے دیگر قطبش خوانند۔ گفتند پس تو در کدام جانبی و راجح پیشِ تو چیست؟ فرمود اَسْلِمْ تُسْلَمْ۔ گفت مذہبِ من تسلیم است و سلامتی نیز در تسلیم است۔ و ترکِ غلو و افراط در انکار و اعتقاد است۔ زیرا کہ در تکفیر سراسر خطر است و مبالغہ در تعظیم نیز احتمال ضرر دارد تا عموم ناس در اتباع مبہمات و موہمات ایشان نیفتند و بکنہ مقصود نارسیدہ سر از جائے دیگر نہ بر آرند۔ واللہ اعلم

(۱۳۰) **قاعدہ**: موجبات اخذ و دواعی انکار بر قوم پنج چیز است۔ اول نظر بر علو مرتبہ و رفعتِ شان و صفوتِ حال و بلاحظۂ کمال ایشان ست کہ چوں تعلق برخصت کنند یا بادبے از آداب اخلال نمایند یا در امرے

از امورِ دین مساہلہ رود یا بصفتے از صفات نقص متصف کردند اعتراض متوجہ گردد و انکار مسارعت کند و ہرچہ لطیف تر و پاک تر ظہورِ عیب نقصان در وے بیشتر۔ چنانچہ جامۂ سفید اگر یک نقطۂ سیاہ بروے افتد نمایاں گردد وطریق دفع ایں نوع آنست کہ بدانند کہ ہیچ کس را کمال مطلق ثابت نیست وہر کہ باشد از نقص بشریت خالی نہ، وعصمت مخصوص انبیاست۔ ووقوع ہفوت وزلت بلکہ خطا ومعصیت نہ بروجہ اصرار وادمان منافی مرتبۂ کمال ودرجۂ ولایت نیست۔ چنانچہ در قواعدِ سابق تقریر یافت۔

ثانی از وجوہ اعتراض وانکار بریں طائفہ علیہ دقتِ علوم ولطافتِ اشارات ایشانست کہ در فہم ہر کس بزودی در آید۔ ودر حقیقت اشرفِ علوم وادق والطف آں علمِ تصوف است کہ بنائے وے بر کتاب وسنت ست وذوقِ صحیح وکشفِ صریح است۔ چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ می فرماید کہ لَوْ كَانَ تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ عِلْمٌ أَشْرَفَ مِنْ عِلْمِنَا هٰذَا لَرَحَلْتُ عَلٰى شَرَفِ هٰذَا الْعِلْمِ۔ یعنی اگر زیر کبودی آسمان علمے دیگر شریف تر ازیں علم می بود کہ ما با اصحاب خود براں تکلم می کنیم سعی آں میکردیم ودر طلبِ آں می دویدیم وہر علم را بجودت طبع وقوتِ عقل ومعاونت قیل وقال وبحث وجدال درک تواں کرد۔ الا ایں علم را کہ با وجود سلامت فطرت وصحتِ قریحت وجودتِ فہم، ریاضتِ نفس وتصفیۂ باطن وتخلیۂ سر از ماسوی اللہ نیز شرط است۔ پس سببِ انکار ایں طائفہ قدس اللہ اسرارہم وایں علمِ اشرف بحقیقت قصورِ فہم ونقصانِ استعداد

وضیق حوصلہ وفقدانِ معرفت وضعفِ ایمان بود و باوجود آں منکر اگر براہ تورع وخوف و حذر و احتیاط وتحاشی وسلامت رود معذوراست ولیکن انصاف ہماں طریق توقف و تسلیم است۔

ثالث از اسباب انکار کثرت مدعیان ومداخلت مبطلان و متصنعان و متشبہان کہ صاحبانِ اغراض وطالبان اعواض اند وبعلت اشتباہ اگر یکے از محققان دعوی بحق کند او نیز در نظر ظاہر بیناں بصورتِ مدعیان مبطل نماید، اینجا دلیل وبرہان باید تا مبطل را از محق جدا گرداند وگاہ باشد کہ در نفس الامر دلیلے باشد ولیکن ناظر را قوت دریافت آں نبود۔ پس دریں جا نیز توقف وتامل اسلم باشد۔

رابع خوف ضلالتِ عامہ و وقوع در ورطۂ الحاد وعدم اعتناء بظواہرِ شریعت چنانچہ از اکثر جہال واہلِ بطالت مشاہدہ می گردد وایں بحقیقت در اصل ایں طریقت وذات ایں علم انکار نیست بلکہ بعارضۂ مصلحت وملاحظۂ حکمت است وذلک شئ آخر۔

خامس وجود بخل وشح در اعطائے حق واعتراف بداں وقیام و ثبات بر طریق عدل وانصاف کہ در نفوسِ آدمیان نہادہ اند با تفاوتِ مراتب و درجاتِ آں وچوں تعلق وتوجہ صوفیہ صافیہ علیہ بحقیقت است وظہورِ حقیقت وغلبۂ قہمانِ وے مبطل وماحی جمیع اعتبار است۔ لاجرم ایشاں را درحالتِ حیات وبعدِ ممات شانے مخصوص وامتیاز خاص است، در حسنِ صیت وشہرتِ امر وقبول قلوب ورجوعِ خلائق وعزت وغلبہ ہست

کہ فقہا و علمائے ظاہر را نیست۔ ناچار نفوسِ عامہ بصفتِ ضیق و غبطت و حسد بر آید و در اہلِ کمال بہ تنقیص و توضیع دخل نماید تا دلے خالی کند وَذٰلِكَ نَفْخَةُ الصُّدُوْرِ۔ و صاحبِ این قسم در انکار معذور نبود بلکہ محروم و مغبون باز گردد، و اہلِ اقسامِ سابق معذور اند بلکہ ماجور و سببِ حقیقی در بقائے حسن صیت و ذکرِ جمیل عباد و عرفا نہ فقہا و علمائے ظاہر کہ از حلیۂ تصوف و تعبد و توجہ الی اللہ عاری و عاطل باشند آنست کہ فقیہ منسوب و مشغوف بصفتے از صفاتِ نفسِ خود است کہ درک و فہم و فقہ او باشد و آں باقتضائے حس و حیات ظاہر فوت پذیرد و نابود گردد، و عرفا و عباد منسوب بہ پروردگار حی باقی و صفاتِ اویند کہ از ازل تا ابد باقی ست و چگونہ بمیرد آنکہ نسبت او بحی لا یموت بعلت نفس درست شدہ باشد

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

و لہذا مجاہد فی سبیل اللہ کہ بشرفِ شہادت رسید چوں تحقیق کلمۃ اللہ و اعلائے دین حساً و معنیً کردہ بہر دو قسمِ حیات کہ حسی و معنوی ست فائز گردد۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ و چوں عمل و عبادتِ صلحا موجب تحقیق و اعلائے معنوی کلمۃ اللہ و دینِ وے بود، مخصوص بحیاتِ معنوی و مقتصر براں آمد و آں دوام کرامت و ذکر خیر و برکت اوست چنانچہ گفتہ اند۔ مصرعہ

قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ اَحْيَاءٌ   واللہ اعلم

Marfat.com

(۱۵) **قاعدہ** کتابہائے کہ علما وفقہا در رد وانکار بظواہر اقوال قوم نوشتہ اند، اگرچہ در منع وتحذیر واحتراس از ورود مواقع غلط واشتباہ نفع دارد ولیکن متضمن ضرر نیز ہست وحصول حقیقت وانتفاع واستفادہ ازاں موقوف ست برعایتِ چند۔ شرطِ اول آنکہ نظر بر احوالِ خود مقتصر گرداند وآنرا باعثِ مواخذہ وانکار بر نفس خود سازد وبادۂ لقلقہ وتشدق لسانی ومجلس آرائی نگرداند وباغیر سالک راہ کہ بذکائے طبیعت وجودت فطنت وسلامت قریحت ودریافتِ دقتِ کلام ونزاکتِ مرام وثباتِ قدم درمقامِ صدق وتحقیق وسلوک طریق ورع واحتیاط موصوف بود، بیان نکند وبامریداں سادہ لوح وخالی الذہن کہ بصفائے عقیدت بحضراتِ مشائخ موصوف اند، وقوتِ تمیزِ سخن ندارند درمیان نیارد، ودر اعتقاد وارتباطیکہ بامشائخ دارند تشویش وتفرقہ نیندازد، واگر فرضاً درمقامِ وعظ ونصیحت احتیاج باعلام وتنبیہ شود، دخل واعتراض درمجرد قول کند بے تعین قائل ودرضمن بیان تعرض بعظمتِ حال وجلالتِ شان ایں طائفہ علیہ قدس اللہ سرہم نماید۔ زیراکہ ستر زلات ائمہ وپوشیدن خطائے بزرگانِ دین از واجباتِ وقت واسبابِ سعادت وسرمایۂ برخورداری ست، وصیانتِ دین وحفظ حوزۂ اسلام ومراعاتِ شریعت اوجب والزم است وقائم بدینِ خدا با جور وتنصروے متصور وانصاف درحق لازم واتباع نفس وہوا ممنوع ودیانتے کہ مصحوب ہوا باشد فاسد ونصیحتے کہ مشوب بغرض نفسانی بود باطل است۔

Marfat.com

شرط دوم رسوخ اعتقاد و تحسین ظن بمشائخ و تنزیہہ ساحت عز و کمال ایشاں از غبار طعن و تنقیص تارۃً بنفی نسبت و منع صدور آں از ایشاں و اخری بتاویل و تطبیق آں بظاہر و اعتذار بوقوع آں بسکر حال و غلبۂ وجد۔
شرط سوم اعتقاد آنکہ باعث رد و انکار و مآل آں حسم مادہ و سد ذریعہ است تا عامۂ خلق و مدعیان راہ ایں چنیں نکنند و بے تحقیق بمقام صدق و تمکن حقیقت براہ تقلید و متابعت ایشاں نروند کہ تقلید و اتباع در احکام ظواہر شرع بود نہ در احوال و مواجید و اذواق۔ و از فقہا کسے کہ بر طائفہ صوفیہ علیہ قدس سرہم براہ رد و انکار رفتہ و تشدید و تغلیظ نمودہ ابن جوزی ست کہ از اکابر علمائے فقہ و حدیث است و گفتہ اند کہ مقصود وے نیز سدّ ذرائع است بدلیل تطریز و توشیح وے کتب خود را بذکر حکایات و کلمات مشائخ و استشہاد بافعال و اقوال ایشاں باوجود رد و انکار وے بر ایشاں در بعضے مواضع و در چند موضع از کتاب تلبیس ابلیس کہ از تصانیف مشہورۂ اوست گفتہ است و مبالغت نمودہ و قسم یاد کردہ است کہ مقصود من اظہار علم و تحقیقِ سنت و تنبیہ و تحذیر از مواضع بدعت است نہ طعنِ رجال و تنقیص اہلِ کمال۔ ولیکن از شدت و غلظت و خشونت کلامِ وے کہ در کتاب مذکور کردہ است۔ ظاہر شود کہ انکار وے قوی و نزاعِ وے معنوی ست و در نظر انصاف آں کتاب در معرفت مداخل شیطان و حسم مادۂ بدعت و جہالت بے نظیر است۔ غیر آنکہ خشونت الفاظ و تشدید انکار و تغلیظ طعن و تشنیع وے موحش و مشوش است۔ ولہذا محققان از اربابِ

نصیحت از خواندن این کتاب و امثال آں منع و تحذیر کرده و بعدم خوض و وقوع درآں وصیت فرموده اند تا بسوءِ ظن و تنقیص مشائخ و اربابِ احوال گرفتار نگردد و همچنانکه ازیں کتاب و امثال آں منع کرده اند از خوض در بعضے کتبِ ایں قوم مثل فصوص الحکم و اشباهِ آں که اسرار و حقائق و مواجید را صریحًا بے توقف و تحاشی نوشته اند نیز نهی فرموده اند۔

شرطِ چهارم که خلاصۂ کلام و حاصل مرام است آنست که اعتراف بقصورِ علم و ضعفِ فهم خود کند، خدا داند که ایشاں چه گفته اند و بچه اشارات کرده سخناں ایشاں را بایشاں گذارد و خود را و تصرف خود را از میاں بردارد۔ وانصاف آنست که توقف وانکار بر آنست که در فهم ایں کس می درآید، یا باحتمال آنکه چیزے اراده کرده باشد که منکر نباشد۔ پس در حقیقت انکار بر نفسِ خود است نه بر ایشاں ۔ و بالجمله دین و شریعت واضح ست، خود موافقِ آں رو و براں کار کن۔ واگر از تو مسئله شرعی بپرسند موافق حکمِ شریعت جواب گو۔ واگر در خصوص حال یکے از صادقاں راه سخن افتد تغافل ورز و اغماض کن۔ و بدانکه جحود وانکار سببِ بُعد و حرمان ست و تصدیق و اعتقاد موجب فتح باب وَاللّٰهُ الْهَادِیْ وَمِنْهُ التَّوْفِیْقُ لِنَیْلِ الصَّوَابِ۔

تمام شد نقلِ قواعد از کتاب قواعد الطریقت فی الجمع بین الشریعت و الحقیقت

وچوں عبارات ایں کتاب در غایتِ دقّت و ایجاز بود اگر بجهت بسط و ایضاح زیادت کلمه یا فقره شده باشد دور نیست ولیکن نقل سخنے و حکایتے زائد بر اصلِ مقصود و کلام شیخ کرده نشد الا ماشاء الله۔ واگر

توفیق رفیق خواہد شد این معانی را در رسائل دیگر بتقریب اقتضائے وقت با ضم معانی دیگر نیز تفصیل دادہ آید ان شاء اللہ تعالیٰ۔

خاتمہ اکنوں بجملے از اعتقاد اہلِ حق قدس اللہ اسرارہم اشارت کردہ رسالہ را تمام کنیم تا مقطع کلام با مطلعش مناسب افتد و جملہ فصول اعتقاد سہ[۳] است۔

اول اعتقاد در جانبِ ربوبیت و مجمل آں اعتقاد تنزیہہ و نفی تشبیہ است و اثبات ہر چہ از صفات کمال بود و ایمان بحقیقت آنچہ ورود یافتہ از متشابہات و مشکلات با تفویضِ حقیقت مراد از آں بعلمِ الٰہی تعالیٰ و کلمۂ جامعہ دریں باب کلام امام مالک است رحمۃ اللہ علیہ در وقتیکہ از معنی اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی سوال کردند۔ فرمود: اَلْاِسْتِوَآءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ غَیْرُ مَعْقُوْلٍ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ۔ و شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی قدس سرہٗ فرمودہ است کہ مذہب صوفیہ در جمیع صفاتِ سمعیہ ہمیں است۔

ثانی اعتقاد در جانبِ نبوت و جملۂ آں اثباتِ نبوت و اعتقادِ عصمتِ انبیا علیہم السلام و تنزیہہ ساحت عز و کمال ایشان ست از ہر علم و عمل و حال کہ نہ لائق مرتبۂ کمال بود با تفویض آنچہ مشکل بود و مشتبہ شود۔ و اگر از جانبِ حق بایشاں عتابے و خطابے رود و یا سخن بوجہ عزت و کبریا آید و یا از ایشاں بجنابِ کبریا سخن بر طریق تواضع و اظہار بندگی و مسکنت رود ما را نشاید کہ دراں مشارکت جوئیم و سخن جز بطریقِ ادب و ملاحظۂ علوِ شان

وحفظ مرتبہ ایشاں گوئیم خواجہ رامی رسد کہ با بندۂ خود ہرچہ خواہد گوید و بندہ نیز ہرچہ خواہم از عجز و مسکنت تمسک جوید، دیگرے راچہ مجال ست کہ دم زند، و مجمل اعتقاد در حق سید کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنست کہ ہرچہ جز مرتبہ الوہیت است از کمالات و کرامات اثبات کند کائناما کان شعر

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ ❊ وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمْ

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ ❊ وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ

شعر

مخواں او را خدا از بہر امر شرع و حفظ دین ❊ دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش املا کن

ثالث اعتقاد در جانب دار آخرت و سائر اخبار کہ انبیا و رسل صلوات اللہ علیہم اجمعین دادہ اند و جملۂ آں اعتقاد صدق و راستی آں اخبار است، بروجہیکہ ورود یافتہ بے تغیر و تبدیل و عدم خوض در تفاصیل و تاویل آں مگر بدانچہ صحیح و واضح ست و جامع جمیع اعتقادات ست ایں کلمہ اٰمَنَّا بِمَا جَآءَ عَنِ اللّٰهِ عَلٰی مُرَادِ اللّٰهِ وَبِمَا جَآءَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰی مُرَادِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِمَا جَآءَ مِنْ عِنْدِ الْكُمَّلِ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ عَلٰی مُرَادِهِمْ. ایں قدر در حصول ایمان و صحت اعتقاد کافی ست و ایں را ایمان اجمالی خوانند و تفصیلش آنست کہ جدا جدا ہرچہ از ضروریات دین است ایمان آرند و بگروند و تفاصیل آں در رسالہ کہ تالی ایں مقالہ گردد بیان کنیم۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ وَهُوَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَيَهْدِي السَّبِيْلَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

Marfat.com

تمت[1] ہذہ الرسالۃ المیمونۃ المبارکۃ فی علم العقائد من الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ فی المعاش من شہر ربیع الاول تاریخ ثلثا یوم الاثنین سنہ الف واحد عشر من الہجرۃ النبویۃ بید الضعیف النحیف سید عبد الکریم۔ اللہم اغفر لمالکہ وقاریہ ولکاتبہ مغفرۃ واسعۃ بغیر حساب۔ رحمتک الواسعۃ یا واسع المغفرۃ۔ ہر کہ ازیں نفعے حاصل کند و حظے گیرد دعا بتکمیل ایمان کند ؎

ہر کہ خواند دعا طمع دارم   زانکہ من بندۂ گنہگارم

تمت[2] الکتاب بعون الملک الوہاب ۲۳ شہر شوال سنہ ۱۱۴۴ ہجری حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کاتب حروف اضعف عباد اللہ واحقر الناس جلال الدین محمد است۔ اللہ بس باقی ہوس۔

قوبل من النسخۃ المقروہ علی الشیخ المصنف نور اللہ مرقدہ بید الفقیر الحقیر نور الحق عفی عنہ والحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی عباد اللہ الصالحین۔ ۲۶ محرم سنہ ۱۱۴۹ھ

---

[1] ایں عبارت در تتمۂ مخطوطہ حضرت مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی مرقوم است۔

[2] ایں عبارت در تتمۂ مخطوطہ مولانا عبد الحلیم صاحب چشتی تحریر است

اردو ترجمہ

مرج البحرین

از حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

جناب ثناء الحق صاحب صدیقی

ایم اے (علیگ)

(نوٹ) اردو ترجمہ کے حاشیے پر اصل فارسی صفحات کے نمبر دیدئیے گئے ہیں تاکہ قارئین کرام بوقتِ ضرورت مطابقت کر سکیں۔

Marfat.com

ص ۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَاِمَامِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَاَتۡبَاعِهٖ وَاَحۡزَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ ٥ (یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ اور رحمتِ کاملہ وسلام نازل ہو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پیغمبروں کے سردار اور پرہیز گاروں کے پیشوا اور جملہ انبیا کے خاتم پر اور آپؐ کے آل واصحاب پر اور آپؐ کے تمام متبعین اور آپ کی جماعتوں پر) اما بعد

رسالہ کا موضوع

فقیر عبدالحق بن سیف الدین قادری دہلویؒ کی جانب سے عرض ہے کہ یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام "مرج البحرین" ہے اور جو دو طریقوں کا جامع ہے جن میں ایک فقہ ہے اور دوسرا تصوف ـــــ ایک شریعت ہے اور دوسرا طریقت، ایک ظاہر ہے دوسرا باطن، ایک صورت ہے اور دوسرا معنی، ایک چھلکا ہے دوسرا مغز، ایک علم ہے اور دوسرا حال، ایک ہوشیاری ہے دوسرا مستی، ایک مذہب ہے دوسرا مشرب (طریقہ) ایک عقل ہے دوسرا عشق۔ اور اگر اس کو سیدھا راستہ اور راہِ استوار کا نام دیا جائے تو جائز ہوگا۔ نیز اگر دین خالص اور سلامتی کے راستہ کے لقب سے یاد کیا جائے تو روا ہوگا۔ اور اگر دعوتِ حق اور راہِ نجات (سبیلِ رشاد)

Marfat.com

انہیں تو درست، اور میزانِ عدل اور دستور العمل گردانیں تو صحیح ہے۔ یہ طریقہ فقہ کے ماننے والوں کو طریقِ تصوف کے انکار سے روکتا اور اہلِ تصوف کو مذہبِ فقہ کے دائرہ کے اندر رکھتا ہے۔ مگر ہر فقیہ سرکش متکشف خیال کیا جائے گا اور ہر متصوف حقیقت سے دور، اپنے مسلک میں غالی سمجھا جائے گا۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (الآیۃ)

(یعنی دو دریا جو ایک دوسرے سے ملنے کو ہوں ان کے درمیان پردہ کر دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر غالب نہ آجائیں) ؎

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن ۱۰۱

(یعنی ایک ہاتھ میں جام شریعت ہو اور ایک ہاتھ میں سندانِ (اہرن) عشق۔ لیکن ہر ہوسناک کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ جام (پیالے) اور سندان (اہرن) دونوں کے ساتھ شغل کر سکے)۔

ہمارا پروردگار تعالیٰ شانہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اور ہمارے دوستوں کو امن کی جگہ اور سلامتی کے ٹھکانے سے نہ ہٹائے اور حق کے مرکز اور صدق کی جگہ پر ثابت قدم رکھے۔ اور راہِ راست، دین درست اور اعتقادِ صحیح کی توفیق دے (آمین) قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الآیۃ) (یعنی کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں خدا کی راہ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے متبعین بھی اسی جانب بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں شرک میں مبتلا نہیں ہوں)۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی ہو رسولوں کے سردار، اور کل جہان کے امام اور مخلوقات کے رہنما اور خلقت کے ہادی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اُن کی آل اور جملہ اصحاب پر۔

Marfat.com

فرقہ بندی کی پیشین گوئی

حضرت ابوہریرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت تہتر[2] فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے ایک کے سوا سب دوزخی ہوں گے۔" صحابہؓ نے دریافت کیا "یا رسولؐ اللہ وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا: "وہ لوگ ہوں گے جو اس راستہ کو اختیار کریں گے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب گامزن ہیں۔" اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح بتایا ہے۔ (الحدیث)

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سید الانبیا و سند الاصفیا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں اس اعتبار سے کہ مجھ پر وہ لوگ ایمان لائے ہیں اور دینِ اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں تہتر[2] فرقے ہو جائیں گے۔ ہر فرقہ کا عقیدہ الگ اور راستہ جداگانہ ہوگا۔ ان میں سے بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور گمراہی کے سبب اور عقیدہ کی خرابی کی وجہ سے اور بدعت کی نحوست کے باعث عذابِ نار میں گرفتار رہیں گے۔ جب تک کہ قادرِ مطلق چاہے کہ ان کو اس آلائش اور کثافت سے پاک کر کے جنت میں داخل کرے، اور ان تہتر[2]

---

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ اصحابِ صفہ میں آپؐ کا شمار ہے۔ غزوہ خیبر والے سال میں آپ اسلام لائے لیکن صحبت نبویؐ سے بے انتہا فیضیاب ہوئے۔ چنانچہ سب سے زیادہ احادیث آپ ہی سے مروی ہیں۔ آپ نے تقریباً آٹھ سو صحابہؓ سے روایت کی ہے ۔ ۵۷ھ میں چھہتر سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

فرقوں میں سے ایک فرقہ ایسا ہوگا جو دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اور اپنی عقیدت ۱۱۱
کے سبب عذاب کا مستحق نہیں ہوگا۔" صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا "یا رسول اللہؐ
اس فرقہ میں جو ہدایت پر قائم رہے گا اور دوزخ میں نہیں جائے گا کون لوگ
ہوں گے؟" آپؐ نے فرمایا کہ "وہ لوگ وہ ہوں گے جو میرے اور میرے اصحاب
کے مذہب و اعتقاد پر رہیں گے۔"

اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیئے

وہ بہتر[۷۲] فرقے اہل بدعت و ضلالت اور نفس کے بندے کہلاتے ہیں اور ان کو
اہلِ قبلہ بھی کہا جاتا ہے۔ اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیئے، اور نہ ان کو دائرہ
اسلام سے خارج سمجھنا چاہیئے کیونکہ فرقۂ ناجیہ سے ان کا اختلاف ہر کہیں
اور ہر بات میں نہیں ہے بلکہ محض بعض مسائل و عقائد ایسے ہیں جن میں
وہ خطا پر ہیں۔ اور نصوص کے ظاہر کی بنا پر تاویل اور اس میں تبدیلی کر کے
جادۂ مستقیم سے منحرف ہو گئے ہیں۔

کفر و ضلالت کی وضاحت

کفر و ضلالت کے درمیان فرق، بہت سی باتوں میں سے صرف اس بات پر قیاس کر کے

سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً ایک جماعت ایسی ہے جو مشرق کی جانب منھ کیے ہوئے ہے۔ ان میں سے ایک حصہ ایسا ہے جو بیچوں بیچ سے ہو کر بخطِ مستقیم جو قریب ترین راستہ ہے اس کو اختیار کرتا اور اس پر چلتا ہے اور دوسرے فرقے ایسے ہیں کہ ان کا بھی مقصد تو وہی ہے لیکن وہ کسی قدر دائیں بائیں ہو کر چلتے ہیں اور اس طرح کسی حد تک جنوب یا شمال کی طرف جا پڑتے ہیں۔ چند قدم نہیں چلتے کہ پھر مشرق کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی مجوزہ راہ پر آجاتے ہیں۔ بعض اس راہ سے قریب اور بعض کسی قدر دور رہتے ہیں لیکن اس فرق کے باوجود مقصد سے کچھ دور یا نزدیک ہوتے ہیں۔ اسی میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک پر کوئی آفت نازل ہو جائے کہ اس سے وہ فرقہ ہلاک ہو جائے۔ درحقیقت غلط راہ چلنے کی آفتیں بہت ہیں۔ .... دوسرے فرقے بھی اس قدر دور ہو جاتے ہیں کہ ان کا بھی راہِ راست کی طرف رجوع کرنا مشکل ہو جاتا ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ حصولِ مقصد کی نیت اور مقصود
ص۱۲۰ کی طلب اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ یہ سب اہلِ ضلالت ہیں کہ اگرچہ وہ چلنے والے ہیں لیکن ساتھ ہی ہلاک ہونے والے بھی ہیں۔ اور اگرچہ وہ راہرو کہے جائیں گے مگر اصل میں راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جو مشرق کی طرف سے مطلق پشت کیے ہوئے ہیں اور اپنا منھ مغرب کی طرف رکھتے ہیں اور کسی طرح اور کسی وجہ سے بھی اپنا رخ مشرق کی جانب نہیں کرتے، نہ وہ مشرق کی راہ کا

Marfat.com

قصد رکھنے والوں کے ساتھ موافقت برتتے ہیں۔ یہ مثال اہلِ کفر کی ہے کہ وہ اپنے قصد میں، مقصد میں دینِ اسلام کے مخالف اور اس سے جدا ہیں۔

اہلِ ضلالت کی بھی پشت اگرچہ کبھی کبھی منزلِ مقصود کی طرف ہو جاتی ہے لیکن چند قدم یا چند میل یا چند فرسخ یا چند منزلوں کے بعد بَالِغًا مَا بَلَغَ اِلٰی مَاشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی (یعنی جہاں تک اللہ تعالیٰ پہنچانا چاہے وہاں تک پہنچ جائیں) اُن کا رخ حقیقت کے قبلہ کی طرف ہو جاتا ہے اور ان کا قدم سیدھے راستے پر جا پڑتا ہے ؎

جنگِ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ | چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

(یعنی بہتر فرقوں کے درمیان جو نزاع جاری ہے اس میں ان سب کو معذور سمجھو کیونکہ جب انھیں حقیقت نظر نہیں آتی تو وہ سند کے طور پر اپنے اسلاف کے طرزِ عمل کو پیش کر دیتے ہیں)۔

وصل ۱

دنیا کی محبت خطاؤں کا اصلی سبب ہے

جو چیز موجبِ کفر و ضلالت ہے وہ دنیا کی محبت، خواہشاتِ نفسانیہ کے اتباع اور عقل پر بھروسہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے: حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ (یعنی دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے) جیسا کہ کہا گیا ہے کہ کسی آدمی پر دنیا کی محبت اس درجہ غالب آجاتی ہے کہ وہ اس کی وجہ سے دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور کسی کو یہ محبت فرائض کی ادائیگی، سنت کے اتباع اور نفلوں پر استواری اور استقامت کے التزام سے باز رکھتی ہے اور جس طریقے سے بھی اس کو دنیا، مال و متاع اور عزت و جاہ حاصل ہو سکتے ہیں

Marfat.com

وہ اسی طریقے کو اختیار کرتا ہے اور جس راستے پر چل کر اس کو ان چیزوں کا
حصول ممکن نظر آتا ہے اسی راہ پر چلتا ہے اور نفس اور شیطان کی متابعت
کرتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اپنی سمجھ بوجھ پر اترانے لگتا ہے اور اپنی
عقل پر پورا اعتماد کر لیتا ہے۔ وہ اپنے طرزِ عمل کو صحیح سمجھتا ہے خواہ وہ
کفر و معصیت ہی ہو۔ اور نفس کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اپنے کسی عیب یا
کسی برائی کو قبول نہیں کرتا اور خود کو ملزم اور مغلوب ماننے کے لئے تیار
۱۳ نہیں ہوتا، بلکہ لوگوں سے کٹھ حجتی سے پیش آتا ہے اور اپنے اوپر سے برائی
کو ہٹانے کے لئے معاصی کو حلال اور برائیوں کو مستحسن قرار دیدیتا ہے اور
اپنے مذہب کو تقویت پہنچانے اور اس کو رواج دینے کی غرض سے نیز
اپنے کردار کی تحسین و تعریف حاصل کرنے کی غرض سے دلیلیں گھڑ لیتا ہے
اور جس چیز کو اپنے نفس کے خلاف اور اپنی رائے کے برعکس پاتا ہے خواہ
وہ آیاتِ قرآنی ہوں یا احادیثِ نبوی، ان کی تاویل کر لیتا یا ان کو توڑ مروڑ
پیش کر دیتا ہے یہاں تک کہ آخر کار وہ بے دین اور ملحد ہو جاتا ہے اور
اس کا ٹھکانا جہنم اور دوزخ ہو جاتا ہے: نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ (یعنی ہم
زندقہ اور الحاد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں)۔

دورِ رسالت سے بُعد کا نتیجہ

نورِ ایمان و یقین کے سمجھنے اور تردد اور طعن
قیاس کی تاریکی میں جا پڑنے کا حقیقی سبب
زمانۂ نبوت سے دُوری، مرکزِ حقیقت سے بُعد اور نزولِ قرآن اور انوار
وحی کے ورود کے وقت حاضری سے محجوب ہو جانا ہے۔ صحابہ کرام رضوان

علیہم اجمعین میں فراست دینی کا پیدا ہونا صرف اس لئے تھا کہ جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدہ سے وہ کشف و یقین کے اس درجہ پر فائز ہو چکے تھے کہ تردد و تذبذب کے لئے ان کے دل میں جگہ پانے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اس وقت کے مؤمنوں کے کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر ایمان کا تو ذکر ہی کیا ہے کافروں کو بھی اس میں شک اور تردد نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت کافروں کو شک و تردد سابقہ حسد اور دشمنی اور شقاوتِ ازلی اور خدائے تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی تقدیر کے سبب سے تھا۔

قرآنِ کریم کی لذت و حلاوت

ابوجہل[1] لعنۃ اللہ علیہ نے جو ظالموں اور گمراہ لوگوں کا سردار اور راندۂ درگاہِ خداوندی تھا بارہا قرآن شریف سنا۔ وہ روتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے یقین ہے کہ یہ کلام کسی بشر یا انسان کا گھڑا ہوا نہیں ہے۔ اس کلام کا طرز اور انداز کسی دوسرے ہی عالم کا ہے: اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً وَاِنَّ لَہٗ لَطَلَاوَۃً (یعنی حقیقت یہ ہے کہ اس میں جو مٹھاس اور تازگی ہے وہ کسی دوسرے کلام میں نہیں ہے) لیکن کیا کروں کہ شیطان جو نفس کی صورت میں میرے پیچھے لگا ہوا ہے اس نے ایسا وسوسے میں ڈالا ہے کہ کسی طرح قابو میں نہیں آتا۔

---

[1] ابوجہل کا اصل نام عمر بن ہشام تھا۔ انکارِ حق کی وجہ سے وہ اس لقب کا مستحق سمجھا گیا اور اسی لقب سے اسے دائمی شہرت بلکہ بدنامی نصیب ہوئی۔ وہ قریشِ مکہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھا۔ دار الندوہ میں اسی نے مشورہ دیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے۔ بدر کی لڑائی میں بھی پیش پیش تھا آخر اسی معرکہ میں دو نوعمر بھائیوں معاذؓ اور معوذؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال پر صحابہ رضؓ کی کیفیتِ قلب

غیبت وحضور کے حال کا فرق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دن ہی ظہور میں آگیا۔ چنانچہ حضرت انسؓ[1] رضی اللہ عنہ
صـ۱۴ فرماتے ہیں کہ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپؐ کے آفتابِ جمال نے پردہ فرمالیا تو ہمارے حال میں تبدیلی رونما ہو گئی اور ہمارے دلوں کے سامنے ایک ایسا حجاب پیدا ہو گیا کہ اس کی وجہ سے معرفت کا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور نورِ یقین میں کمی محسوس ہونے لگی ؎

رہ ندیدم چو برفت از نظرم صورتِ دوست ہمچو چشمے کہ چراغش زمقابل برود

(یعنی جب محبوب کی صورت میری نظر سے اوجھل ہو گئی تو مجھے راستہ تک نظر نہیں آتا تھا یہ بالکل ایسا ہی ہوا جیسا اس وقت ہوتا ہے جب سامنے سے چراغ چلا جائے تو آنکھ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتی)۔

عہدِ رسالت میں غیبت وحضور کا فرق

اس سے بھی زیادہ بلند تر اور لطیف تر بات ایک اور ہے وہ یہ کہ حضرت حنظلہ[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کو حنظلۃ الغسیل الملائکہ کے نام سے موسوم

---

[1] انسؓ بن مالک بن النضر صحابہ انصار میں شامل ہیں کنیت ابو حمزہ ہے۔ ہجرت کے وقت آپ کی عمر صرف دس سال تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا چنانچہ آخر وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو زیادتی عمر، دولت اور اولاد کی دعا دی چنانچہ آپ کا تقریباً ایک سو چار سال کی عمر میں ۹۳ھ ۷۱۲ء بمقام بصرہ انتقال آپ کا شمار مذکور صحابہ میں تھا۔ نہایت کثیر العیال تھے۔ بہت سی احادیث کے راوی ہیں۔

[2] آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

کیا جاتا ہے اور جو کاتبِ وحی تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آکر یہ شکایت کی کہ نَافَقَ حَنْظَلَۃُ (یعنی حنظلہ منافق ہوگیا)۔ (اور اپنے متعلق یہ بھی کہا کہ) "میں حنظلہ کو بہت مخلصین میں سمجھتا تھا لیکن آخر میں معلوم ہوا کہ وہ تو منافق صفت نکلا۔ اس کا دل زبان کے ساتھ اور ظاہر باطن کے ساتھ یکساں نہیں ہے۔ اور اس کے حال میں استقامت اور پائیداری نہیں"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "حاش للہ" (پاکی ہے خدا کو) آخر یہ کیا گفتگو ہے جو تم کر رہے ہو۔ اور تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ تمہاری حالت کیسی ہے اور تمہارا مقصود کیا ہے"۔ انھوں نے کہا "جس وقت کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوتے ہیں اور آپؐ کے جمالِ پُرنور کا نظارہ کرتے ہیں اور آپؐ کی گفتگو سنتے ہیں تو نورِ یقین ایسا جلوہ گر ہوتا ہے گویا ہم حقیقت کو اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جب آپؐ کی خدمت سے واپس آتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں سے ملتے ہیں اور گھر کے سازوسامان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری حالت بدل جاتی ہے سررشتہ

---

[1] حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر غزوۂ احد میں کسی وجہ سے اول سے شریک نہ ہو سکے تھے۔ شب کو بیوی سے ہمبستر ہونے کے بعد غسل کی تیاری کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی شکست کی آواز کان میں پڑی جس کی تاب نہ لاکر اسی حالت میں بغیر غسل کئے تلوار ہاتھ میں لئے میدانِ جنگ میں پہنچ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ملائکہ ان کو غسل دے رہے ہیں۔ اس لئے ان کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔

حضرت حنظلہؓ بن الربیع دوسرے صحابی ہیں جو کاتبانِ وحی میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں۔

گم ہوجاتا ہے اور جو کچھ یاد تھا اس میں سے بہت سا حصہ ذہن سے قطعاً محو ہوجاتا ہے۔"

اب دیکھئے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصدیق کرنے والوں کے سردار تھے اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ارے بھائی! تم یہ کیا کہتے ہو۔ خود ہمارا حال بھی اسی طرح پر ہے۔"

پس حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
صہ ۱۵ کے ہمراہ مشہدِ حضورؐ میں جس سے مراد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پر نور ہے حاضر ہوئے اور اپنا حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو عرض کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "غم مت کرو اور نہ کسی اندیشہ کو دل میں جگہ دو کہ حضور وغیبت کی کیفیت اور خاصیت یہی ہے۔ اگر ہمیشہ اسی حال میں رہو کہ جو بوقتِ حضور تمہیں محسوس ہوتی ہے تو تم حقیقت کو علانیہ پا جاؤ اور فرشتوں سے مصافحہ کرنے لگو۔ وہ کبھی جلوہ دکھا دیتے ہیں اور کبھی اوجھل ہوجاتے ہیں ؎

اگر درویش بر یک حال ماندے — سرِ دست از دو عالم بر فشاندے
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم — گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

(یعنی اگر کوئی درویش ایک ہی حالت میں رہے تو وہ دونوں عالم کو حقیر سمجھنے لگے۔ (یہی) کہ میں کبھی پر رفعت عمارتوں پر جا بیٹھتا ہوں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے پاؤں سے اوپر کے حصہ کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔)

صحابہؓ کے یقین کی کیفیت

اب یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت (جو مقربانِ درگاہ اور آگاہی و معرفت رکھنے والوں کے سردار ہیں) نورِ نبوت کے غیبت اور حضور کے مطابق بدلتی اور مختلف ہوجاتی تھی۔ ایسی صورت میں دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ لیکن یہاں ایک نازک بات اور دوسرا نکتہ جس کی طرف لوگ دھیان نہیں دیتے یہ ہے کہ ان کے یقین و اعتقاد کی اصل قصور پر تھی یا فتور پر۔ درحقیقت فرق مشاہدہ کی کیفیت اور حجاب کی کثافت اور لطافت کے درمیان ہے۔ چنانچہ دیوار بھی ایک حجاب ہے اور شیشہ بھی حجاب ہے لیکن اِس کو اُس سے کیا نسبت۔ جو شخص اپنے محبوب کے ساتھ ایک ہی جگہ پر ہے تاریک رات اور روزِ روشن اس کے یقینِ قلب کے معاملہ میں ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔ فرق اگر ہے تو وہ یقین کی کیفیت میں ہے۔ جب صبح صادق کا ظہور ہوتا اور آفتاب نکلتا ہے نیز دن کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔ اس وقت ایک دوسری کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور کچھ اور ہی چیز مشاہدہ میں آتی ہے لیکن اصل یقین وہی رہتا ہے۔ ذرا دیکھئے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شاہِ اولیاء، امام اصفیا اور اہلِ کشف و یقین کے استاذ ہیں کیا فرماتے ہیں: لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا (خواہ پردہ ہو یا نہ ہو میرا یقین یکساں ہے) یہ ارشاد شاید ان ہی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کچھ بیان کئے گئے ہیں یعنی ہر چند کہ پردہ درمیان میں ہو لیکن میں اس پردہ سے اسی طرح دیکھ لیتا ہوں گویا پردہ نہیں ہے۔

ص ۲۶

Marfat.com

اگر پردہ نہ ہوتا اور حقیقت بغیر پردہ کے ظاہر ہوتی تو نہ علم ہوتا، نہ کشف اور نہ خبر نہ اثر لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ خوانده باشی کہ چیست (تم نے پڑھا ہوگا کہ اس کے انوارِ ذات ہر چیز کو جلا ڈالتے کیونکہ یہ انوار اپنی تجلیات میں انتہائی درجے پر پہنچے ہوئے ہیں) ؎

اسرارِ ازل را نہ تو دانی و نہ من — ویں حرفِ معمانہ تو خوانی و نہ من
ہست از پسِ پردہ گفت وگوئے من و تو — چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

(یعنی ازل کے رازوں کو نہ تو جانتا ہے اور نہ میں۔ اور معمہ کے اس حرف کو نہ تو پڑھتا ہے نہ میں۔ میری اور تیری گفتگو پردے کے پیچھے سے ہے۔ جب پردہ اٹھے گا نہ تو رہے گا اور نہ میں)

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں)

وصل ۲

خیر القرون میں اور اس کے بعد ایمان و یقین کی حالت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے اور دوسرے دو زمانوں کے بعد کہ ان کو تابعین اور تبع تابعین کے دور کہتے ہیں اور ان پر خیر القرون کی حدیث صادق آتی ہے نیز اس کا حکم وارد ہوتا ہے۔ حدیث کے سیاق کے حکم سے جیسا کہ کہا گیا ہے: خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكَذِبُ (یعنی سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے اس کے بعد وہ لوگ جو اُن سے ملے ہوئے ہیں اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔ پھر ظاہر ہوگا جھوٹ اور جھگڑا)

اختلافات اور جھگڑے آپس میں پیدا ہو گئے اور شر و فساد کے بخارات اٹھنے لگے، ہر بات میں چون و چرا کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سنت کا نور دھیما پڑ گیا اور بدعت کی تاریکیوں نے دنیا کو گھیر لیا۔ ہر شخص کے دماغ میں اور ہی سودا سمایا اور دل میں مختلف وسوسے اور خیالات پیدا ہوئے۔ تاویل کے دروازے کھل گئے اور نصوصِ قرآنی کے ظاہری معنیٰ متروک ہو گئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا طریقہ اور سلف کا مذہب کمیاب بلکہ نایاب ہو گیا ——— اَلْاِیْمَانُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ (یعنی ایمان شروع میں تنہا اور بیکس ہوتا ہے اور اس کا انجام بھی یہی ہے کہ غریب و تنہا رہ جائے اور صرف غریب غربا اس پر ثابت قدم رہیں۔)

فلسفہ کا مطالعہ ضعفِ ایمان کا سبب بنا

دینِ اسلام اور سلف کے اعتقاد میں سخت ترین حادثہ اور بدترین مصیبت یہ ہوئی کہ علمِ فلسفہ کا ظہور ہوا اور اس کو بعض خلفائے عباسیہ[1] کے زمانہ میں عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ اس طرح مخالفین کو گویا ایک دستاویز ہاتھ آگئی اور دشمنوں کو جنگ کے لئے ایک ہتھیار مل گیا بعض لوگوں نے تو علم و دانش کی حرص اور لالچ میں کہ انسان کا میلانِ طبع

---

[1] فلسفہ کی جانب مسلمانوں کی توجہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے سے ہی ہو گئی تھی لیکن چونکہ مامون الرشید خود اس علم کا دلدادہ تھا اس لئے اس کے دورِ خلافت میں اس کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی گئی۔ فلسفۂ یونان کی بے شمار کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں جنھوں نے دنیائے اسلام میں آزاد خیالی کی ایک لہر دوڑا دی۔ اسی کی بنیاد پر علمِ کلام پیدا ہوا اور اسی نے مسلمانوں میں متعدد لایعنی مسائل و مباحث کو جنم دیا۔

Marfat.com

ان علوم کی طرف فطری ہے خاصکر جدید علوم کی طرف، جن کو عام طور پر لوگ نہیں جانتے اور بعض حضرات نے عقائدِ اسلام میں مفسدہ پیدا کرنے اور ملت کے قاعدوں کو برباد کرنے کی نیت سے ان علوم میں جو بدعت پر مبنی ہیں غور و خوض کیا اور غلو سے کام لیا ہے، اس لئے تمام علمائے دین اور رہبرانِ ملت، مذہبِ قدیم کی نگرانی اور سنت کی پاسبانی کی غرض سے شریعت کے عقائد کو ثابت کرنے اور فلسفیانہ مسائل کو رد اور باطل کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور ضروریاتِ وقت کے لئے لازم ہوا کہ وہ ان علوم کو تفصیل سے جانیں، اس لئے کہ کسی چیز کا رد و انکار اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کا اچھی طرح علم نہ ہو۔ پس فلسفیانہ مسائل خوب پھیلے اور کلام و جدال اور بحث و مباحثہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اور بحث و تحیص کی گرم بازاری ہو کر علمِ کلام وجود میں آگیا۔ اس سے پہلے بھی علمِ کلام پیدا ہو چکا تھا لیکن اس وقت بحث و مباحثہ سمعیات سے مخصوص تھا۔ اور اس میں اختلاف ان اسلامی فرقوں کے مقابل تھا جنھوں نے اہل سنت و جماعت کے اعتقاد کی مخالفت کی تھی۔

علمِ کلام کی ابتداء حارث محاسبی[ملہ] جو شروع زمانے کے فقہاء اور مشائخ طریقت میں سے تھا اس نے اس موضوع پر

ملہ آپ کا پورا نام شیخ ابو العباس حمزہ بن محمد حارث بن اسد محاسبی ہے۔ ہرات کے متقدمین مشائخ میں اور نہایت مستجاب الدعوات تھے ۲۴۱ھ/۸۵۵ء میں وفات پائی۔

ایک کتاب تصنیف کی اور امام احمد بن محمد بن حنبل[۵] نے اس سے اس
تصنیف کی بنا پر نیز اس لئے بھی کہ اس نے بحث و مباحثہ کا دروازہ
کھولا تھا اور مباحثہ کے دائرہ کو وسیع کیا تھا دوری اختیار کی اور اس
کی صحبت ترک کردی۔ اور متاخرین میں سے جس شخص نے فلسفیانہ مسائل
میں غور و فکر کیا اور اس میں مبالغہ سے کام لیا اور اس (فلسفہ) کو جھٹلایا
اور یاجوج کے اس فتنہ کے راستے میں ایک رکاوٹ پیدا کی وہ امام
فخر الدین رازی[۶] تھے کہ جنھوں نے فلسفیوں سے دوبدو ہو کر ٹکر لی اور
ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور اگرچہ بعض مباحث میں ان کے یہاں بھی
مناظرہ اور مجادلہ کا سا رنگ پیدا ہوگیا ہے۔ لیکن چونکہ ان کی نیت
سلم ہے اس لئے (یقین ہے کہ) ان کی عاقبت بھی ٹھیک ہوگی۔ اس کے
باوجود اربابِ کشف میں سے کوئی صاحب[۷] عالم رویا میں حضور سرورِ کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے اور انھوں نے حضورؐ سے

۵؎ اسم گرامی محمد بن محمد بن عبداللہؒ اور کنیت ابو محمد اور ابو عبداللہ ہے۔ امام شافعیؒ کے تلامذہ میں سے ہیں ۱۶۴ھ / ۷۸۱ء بغداد میں پیدا ہوئے وہیں ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ / ۸۵۵ء کو جمعہ کے دن انتقال فرمایا۔ مسئلہ خلقِ قرآن کی مخالفت کے سبب آپ کو سخت صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن آپ راہِ حق سے نہ ہٹے۔ اہل سنت و جماعت کے چار فقہی ائمہ میں آپ کا شمار ہے۔ مسند احمد ابن حنبل احادیثِ نبویؐ کا ایک بڑا مجموعہ ہے۔

۶؎ امام فخر الدین رازی ۵۴۴ھ / ۱۱۵۰ء میں رے کے مقام پر پیدا ہوئے۔ اپنے وطن کی نسبت سے رازی کہلاتے ہیں۔ شافعی مذہب کے مشہور امام اور فلسفہ اور الہیات کے جید عالم تھے۔ ۶۰۶ھ / ۱۲۱۰ء میں بمقام ہرات فوت ہوئے۔ آپ کی مشہور تصانیف مفاتیح الغیب (تفسیر)، المحصول (فقہ)، اسرار التنزیل (کلام) اور مطالب عالیہ (الہیات) ہیں۔

۷؎ غالباً شیخ جمال الدین جلیؒ ہیں۔

امام فخرالدین رازی کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: ذٰلِكَ رَجُلٌ مُعَاتَبٌ (یعنی یہ شخص معتوب ہے)۔ اور جب بوعلی سینا[۱] کے متعلق پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ رَجُلٌ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ (یعنی یہ وہ شخص ہے جس کو اس کے علم کے باوجود خداوند تعالیٰ نے گمراہ کیا) اور شہاب الدین[۲] مقتول کی شان میں فرمایا: ھُوَ مِنْ مُتَّبِعِیْہِ (یعنی وہ بھی اسی کا تبع ہے) یعنی وہ بھی بوعلی سینا کا پیروکار ہے۔ اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ ۱۸

امام غزالی[۳] رحمۃ اللہ علیہ بھی اوائل عمر میں فقہا اور متکلمین کے راستہ پر گامزن تھے۔ اور آخر میں ترک و تجرید کے راستے میں آکر تصوف کے دائرہ میں

۱؎ شیخ بوعلی سینا مسلمان مفکرین اور حکما میں بڑا درجہ رکھتے ہیں وہ ۳۷۰ھ / ۹۸۰ء میں بغداد کے قریب افشنا کے مقام پر پیدا ہوئے اور ۴۲۸ھ / ۱۰۳۷ء میں تہران میں فوت ہوئے۔ مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے طب اسلامی کے اساطین میں شمار ہے۔ فلسفہ کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ مشرق اور مغرب دونوں اُن کے فلسفہ و حکمت کے قائل ہیں۔ تصانیف کی تعداد کافی ہے ان میں شفا فلسفہ کی انسائیکلوپیڈیا، اور قانون طب اسلامی کا بیش بہا خزانہ ہے۔

۲؎ شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول کا اصل نام یحییٰ بن حبش ہے۔ فلاسفہ کے عقائد پر آپ کی زیادہ نظر تھی۔ مشائیین اور اشراقین کی حکمت کے متبحر عالم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے عقیدے میں کچھ خلل اور نقص واقع ہو گیا تھا جس کی وجہ سے جب حلب پہنچے تو علماء نے آپ کے قتل کا فتویٰ جاری کر دیا چنانچہ ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء میں آپ کو قتل کر دیا گیا۔

۳؎ ابوحامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ طوس میں ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ اسلام کے نہایت مشہور مفکر و متکلم تھے۔ ۴۸۴ھ / ۱۰۹۱ء میں نظامیہ بغداد میں مدرس ہوئے۔ ابتداءً آپ کا رجحان فلسفہ کی طرف تھا جس کی وجہ سے مذہبی عقائد سے منحرف ہو گئے تھے۔ لیکن پھر یکایک خیالات میں تبدیلی ہو گئی اور دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا۔ آخر عمر گوشہ نشینی میں گذری ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء میں اپنے وطن طوس میں انتقال فرمایا تصانیف میں احیاء العلوم، المنقذ من الضلال، تہافۃ الفلاسفہ اور کیمیائے سعادت زیادہ مشہور ہیں۔

Marfat.com

قدم رکھا اور وہ اس گروہ کے محققین علماء میں شمار کیے گئے اور حجۃ الاسلام کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ اور علم تصوف میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جب ان بزرگ نے ان کی حقیقتِ حال دریافت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذٰلِكَ رَجُلٌ وَصَلَ اِلَى الْمَقْصُوْدِ (یہ وہ شخص ہے جو مقصود تک پہنچ گیا) ہنوز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں باتوں میں فرق ہے ایک تو یہ کہا جائے کہ "مقصود سے مل گیا" اور دوسرے یہ کہ "اپنے مقصود تک واصل ہو گیا"۔

علم کلام کے فوائد و نقصانات

اگرچہ اہلِ اسلام اور اربابِ علم کلام کا فلسفیانہ مسائل کے بارے میں غور و خوض کرنا صرف اس لئے ہوتا تھا کہ گمراہوں کے دلائل کا رد و ابطال کیا جائے۔ اور اس میں اہلِ حق کا فائدہ بھی تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں ایک بڑا نقصان بھی ہوا یعنی عقائد میں تذبذب اور دین کے قواعد میں تزلزل پیدا ہو گیا اور اس کی وجہ سے شک اور تردید کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ بہت کم ایسا ہو گا کہ علم کلام میں غور و خوض اور مبالغہ کرنے کے بعد کوئی شخص حیرت کے دائرہ سے صحیح سلامت نکل آیا، اور یقین کی پونجی اپنے ہاتھ سے نہ دے بیٹھا ہو اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَذٰلِكَ نَادِرٌ۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (یعنی سوائے اس شخص کے جس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ اور ایسے آدمی بہت کم ہیں پس ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)۔

Marfat.com

وصل ۳۷

سلامتی کا راستہ فلسفہ سے اجتناب ہے

سلامتی کا راستہ چلنے والے اور استقامت کے طریقے کے طالب کے لئے ایک ہی راہ ہے وہ یہ کہ "وہ فلسفیانہ مسائل میں غور و خوض کرنے اور اس میں پوری طرح منہمک ہو جانے کو اپنے لئے حرام سمجھے، مباحثوں اور کلامیہ دلیلوں میں مبالغہ کرنے سے اجتناب کرے، بحث مباحثہ کرنے والوں کے ساتھ مناظرہ و مکالمہ میں نہ الجھے۔ صرف اہل سنت وجماعت کے عقائد
۱۵۱ اور ان کے مختصر دلائل پر اکتفا کرے اور اسی اعتقاد کو اپنے دل میں درست اور پختہ کر لے، اور شریعت اور کتاب و سنت کے احکام میں عقل کو دخل نہ دے۔ منقول کو معقول کا تابع نہ بنائے۔ تاویلات اور شک و شبہ کے دروازوں کو بند کر دے اعتقاد اور اتباع کے راستہ سے باہر نہ جائے اور اپنی کوتاہ سمجھ اور ناقص عقل پر بھروسہ نہ کرے۔ کیونکہ جو شخص بھی گمراہی کے گڑھے میں گرا وہ اسی عقل پر اعتماد اور اپنی رائے پر گھمنڈ کرنے کی بنا پر گرا اگر عقل غیب کے بھیدوں کو سمجھنے اور مبدا و معاد کے درست ہونے اور بگڑنے میں استقلال و استبداد رکھ سکتی تو پھر انبیاء علیہم السلام کے بھیجے جانے اور رسولوں کی بعثت کا کیا مقصد تھا۔ عقل اور حکمت کے پیدا کرنے کی اصل غرض و غایت صرف یہ تھی کہ وہ خدائے تعالیٰ کے عائد کردہ اوامر و نواہی کو سمجھے اور شریعت کی تکالیف کو برداشت کرے۔ عقل آخر کون ہوتی ہے کہ وہ آخرت کے حالات کی تفصیل اور اعمال کے بھیدوں

کی کیفیت اور ان کی تعداد، ان کی وضع قطع ان کے اوقات کا تعین اور ان کی جزا کی خصوصیات، آسمان سے آئی ہوئی وحی کے بغیر معلوم کرلے۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ اس معاملہ میں کشف و وجدان تک حیران و پریشان ہیں پھر عقل کس شمار میں ہے جس طرح کہ حِس (جزئی چیزوں کے ادراک کی قوت) مدرکاتِ عقل (کلی چیزوں کے ادراک کی قوت) کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح عقل، کشف کے بھیدوں کے دریافت کرنے سے معذور ہے۔ اور اسی طرح کشف، وحی اور ایمان کے بھیدوں کا احاطہ کرنے میں بیکار ہے۔ ایمان کے طریقوں میں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہیں کہ جو کشف اور وجدان سے دریافت نہیں ہو سکتیں پھر بھلا عقل کا کیا ذکر ہے۔ موجودات میں جو سب سے زیادہ ظاہر ہیں وہ وہ چیزیں ہیں جو محسوس کی جا سکیں اور محسوسات میں سب سے زیادہ ظاہر اور نمایاں اجسام ہیں لیکن متکلمین اور حکما میں سے تمام عقلمند لوگ ان کی حقیقت معلوم کرنے میں حیران و سرگران ہیں چنانچہ ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ جسم کی حقیقت کیا ہے اور اس کی بناوٹ اور ترکیب کس چیز سے ہوئی ہے۔ آدمی کے قریب ترین شئے اس کی اپنی ہستی اور اس کا نفس ناطقہ ہے اور اس کی طرف وہ اشارہ "میں" کے لفظ سے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "میں نے کیا" "میں نے کہا" اور "میں نے دیکھا" پھر بھی کوئی عقلمند اس بات کا پتہ نہیں چلا سکا کہ یہ کون ہے یا کیا ہے جو کہتا ہے کہ "میں نے کیا" اور "میں نے کہا"۔ اسی لئے کہا گیا ہے ؎

۲۰ آنکہ خود را شناخت نتواند آفرینندہ را کجا داند

تو کہ در ذاتِ خود زبوں باشی　　عارفِ کردگار چوں باشی

(یعنی جو شخص خود کو نہ سمجھ سکا وہ پیدا کرنے والے کو کیا جانے گا۔ جب تو اپنی ذات کی معرفت میں خوار و زبوں ہے تو تجھ کو معرفتِ کردگار کیسے حاصل ہو سکتی ہے)

عقل کو ذات و صفات کا مجملاً ادراک ہو سکتا ہے

تاہم اگر اللہ تعالیٰ کی ہستی کے نور کے کمال اظہار، اور اس کی صنعتوں کے آثار کی بنیاد پر عقل مجملاً اس کے وجود اور صفات کا کچھ سراغ لگالے تو کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔ مگر اس کی صفات اس کے افعال و آثار کی تفصیل اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں بے حد و بے حساب ہے لہذا سوائے ان خبروں کے جو رسولوں کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہیں کسی دوسری طرح معلوم نہیں کی جاسکتی۔ عقل کے لئے ضروری ہے کہ نبوت کے طریقوں کے لئے اس کے پاس صرف کان ہونے چاہئیں، آنکھوں کو بند رکھنا چاہئے اور خاموشی سے بیٹھا رہنا چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ (اللہ کی طرف سے) کیا فرمان آیا ہے اور رسولؐ نے کیا خبر دی ہے۔ اتنا ہی ہونا کافی ہے کہ کان ہوں، آنکھیں نہیں ہیں نہ ہوں۔ اسی لئے علما نے کان کو آنکھ پر فوقیت دی ہے: اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (یعنی جس کسی نے بات کو توجہ کے ساتھ سنا وہی سمجھا جائے گا کہ متوجہ ہے)

تا گہر وصف ترا شد صدف　　سامعہ بر باصرہ دارد شرف

(یعنی جس طرح سیپ (اللہ تعالیٰ کی) تعریف بیان کر کے موتی ہوا۔ اسی (تعریف کی) وجہ سے قوتِ سامعہ قوتِ باصرہ پر فوقیت رکھتی ہے)۔

Marfat.com

عقل راہِ معرفت میں چراغ کے مانند ہے

عقل مثل چراغ کے ہے کہ اس سے کنوئیں کا راستہ معلوم ہو جاتا ہے۔ چراغ کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ راہ دکھا دے اور اس کے نشانات بنا دے۔ اس سے لوگ دیکھتے ہیں اور ان نشانات کے اوپر چلتے ہیں۔ یہ نہیں کہ چراغ خود راستہ بنائے اور اختراع کرے۔ چراغ سے یہ کام ہرگز ظہور میں نہیں آتا۔ راستہ وہی ہے جو انھوں نے مقرر کیا ہے اور اس کے نشانات ان کے علاوہ دوسرے نہیں ہو سکتے۔ اگر نقل کو عقل کا تابع گرداننے لگیں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اور عقل کی اس تک رسائی نہ ہو سکے اس کے لئے تاویلیں گھڑنے لگیں لیکن اس کے مطابق قائل نہ ہوں اور نہ اس پر اعتقاد رکھیں اگرچہ نیک راہ پر بھی چلیں تو بھی یہ ایک طرح سے جھٹلانا اور انکار کرنا ہے۔ پس ایمان کہاں رہا؟ اسلام کیا ہوا؟ ان کے معنی تو قبول کرنا اور اطاعت کرنا ہے۔ کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں)

ذرہ آفتاب سے، قطرہ دریا سے، جزو کل سے، محکوم حاکم سے، بندہ اپنے پروردگار سے برابری کا دعویٰ کرے اور کہے کہ تو کون ہے اور کیا چیز ہے کہ جو میں نہیں ہوں۔ واہ ری سمجھ اور واہ ری عقل۔ اگر دنیا کے فرمانرواؤں میں سے کوئی بادشاہ کوئی حکم دیتا ہے یا کوئی بات کہتا ہے اور اس پر لوگ کہنے لگیں کہ یہ حکم ہمارے نزدیک معقول نہیں اور نہ یہ بات ہمارے خیال میں صحیح ہے۔ تو کیا کوئی شخص ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ خدا کی پناہ۔ اور اگر کوئی شخص کہتا ہے تو اس کو اپنی اس مخالفت اور اپنے اس انکار کی داد بھی خاطر خواہ

ص ۲۱

Marfat.com

مل جاتی ہے۔ یہ ادب کہ جو تسلیم و ترک اعتراض پر مبنی ہے استاد اور مرشد کیلئے بھی مقرر کیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ خدا اور رسولِ خدا ؐ کے لئے۔ وہ جو کچھ ارشاد فرمائے اس کو سمع و اطاعت سے سننا چاہئے اور قلب و جوارح سے قبول کرنا اور عمل کرنا چاہئے۔ تاکہ خود نورِ ہدایت و عنایت باطن کو منور کر سکے اور شک و شبہ کا غلاف ہٹ جائے ؎

ہر چہ نماید کہ بکن آں بکن — وآنچہ بگوید کہ مگو آں مگو
با سخنِ او ہمہ تن گوش باش — وسوسہ بگذار و ز شیطاں مگو

(یعنی جس کام کیلئے تجھ کو منع کیا جائے کہ اس کو نہ کر تو تجھے چاہئے کہ اس کو نہ کرے۔ اور جس بات کیلئے تجھ سے کہا جائے کہ مت کہہ تجھے چاہئے کہ وہ بات نہ کہے۔ ان کی بات کو نہایت توجہ سے سن۔ اور جو کچھ ان سے سنے اس کے متعلق وسوسے اور شک و شبہ میں نہ پڑ۔ کیونکہ وسوسے میں ڈالنا شیطان کا کام ہے)۔

وصل ۴۲

عقل کی حقیقت اور اس کے اوّل مخلوق ہونے کا مطلب

اگر لوگ کہیں کہ جو بات تو کہتا ہے یہ تو علما کے قول کے خلاف اور حق کی توہین ہے تو کیا عقل کی فضیلت کے سلسلہ میں یہ نہیں وارد ہوا ہے کہ: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلُ (الحدیث) (یعنی پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ عقل تھی)۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مخلوقات میں پہلی اور افضل شے عقل ہے۔ اور کام کا دارومدار اس کے ہاتھ میں اور خطاب و عتاب اس کے مطابق ہے۔ نیز یہ تمام گفت و شنید اسی کی

Marfat.com

ت ہے۔ اگرچہ کچھ آیات اور احادیث ایسی ہیں جن کی بنا پر علماء نے
ری مفہوم کے مقابلے میں عقل کے حکم کے مخالف تاویل اور توجیہ کی ہے
قل اور معقول کے مقتضا کی موافقت میں تاویلیں پیش کی ہیں اور مذہب
ق کہ جس پر تم مطمئن ہو اور جس کو بطور ثبوت پیش کرتے ہو بذاتِ خود
ے کہ عقل علم کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور غور و فکر اور دلالتِ
کی بنا پر چیزوں کو دریافت کرتی ہے۔ اور جس کسی کی عقل کارخانۂ قدرت
عزول اور مردود مطلق ثابت ہوتی ہے اور وہ شخص بات بھی عقل کی ۲۲۷
ے نہیں معلوم کر سکتا اس کی بات قطعاً باطل اور اس کا مذہب ایک
ل پرست کا مذہب (گمراہ کا مذہب) سمجھا جاتا ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ "اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ" (یعنی سب سے پہلی
جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ عقل تھی) والی حدیث جو تم نے پیش کی ہے، اس سے
مخلوق اول اور وجودِ ثانی ہے۔ کہ اسی کو عقلِ اول، روحِ اعظم اور قلمِ اعلیٰ
ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اربابِ کشف و وجدان کی دریافت
اہلِ دین و ایمان کے اعتقاد کے مطابق وہ عین حقیقتِ محمدی اور آنحضرت
اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس ہے کہ عالمِ امر میں اس پیدائش کی صورت
وہ روح اقدس انبیاء علیہم السلام کی بنی اور تمام روحوں کی محافظ تھی۔
عالم عنصریہ خلقیہ کے ظہور کے بعد وہی جوہر کل آپ کے جسمِ اطہر سے
تعلق ہو کر اور مدبر و متصرف بن کر اہلِ عالم کی تکمیل کا سبب تھا۔ یہ خود
مارے مقصود کے موافق بلکہ عین ہمارا مدعا ہے۔ اس لئے کہ یہ روحیں

Marfat.com

اور جزئی عقلیں جو افرادِ انسانی کے جسموں سے متعلق ہیں سب کی سب
اس عقلِ کل اور روحِ اعظم سے فیض اور فائدہ حاصل کر رہی ہیں۔ اور
اعظم اور عقلِ کل، فیوض کا خزانہ اور انوار و تجلیات کا منبع ہے۔ اور تمام
اور عقلیں درحقیقت اسی کے نور کی کرنوں میں سے صرف ایک کرن
حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کی مثال آنکھوں کی سی ہے کہ جب ان کی نسبت
جرمِ آفتاب سے قائم کی جائے تو جب تک آفتاب کی روشنی نہ چمکے
پرتو نہ ڈالے اس وقت تک آنکھوں میں دیکھنے کی روشنی پیدا نہیں
اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ پس عقلوں کا نورِ نبوت کے ساتھ برابر
دعویٰ، یا ایک دوسرے کے مدمقابل ہونا کوئی معقول بات نہیں ہے
آنکھ کی آفتاب کے ساتھ برابری کا کوئی امکان موجود نہیں ہے۔ اور
بات سے بھی اگر قطع نظر کر لی جائے تب بھی عقل کی فضیلت اور اعتبار
کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ خطاب (بات) کے سمجھنے اور ثواب و عذاب
استحقاق کا دارومدار اسی پر ہے اور معاش و معاد کے اچھے اور برے طور
جو صاحبِ شریعت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بتائے ہوئے ہیں
معرفت کلیتہً اسی کے لئے ہے چنانچہ متعدد آیتیں، حدیثیں اور اخبار
اس کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ جو بعض آدمیوں نے
سے بھی افضل قرار دیا ہے اور علم پر اس کو ترجیح دی ہے ممکن ہے کہ بعد
۲۳ وہ بات صحیح ثابت ہو جائے۔ کیونکہ آخرکار اللہ تعالیٰ کی معرفت اور
اور بندہ کے جنابِ احدیت میں پہنچنے کے لئے یہی دو طریقے ہیں یا ذکر کا طریقہ

Marfat.com

بعضوں نے فکر کے طریقہ کو اصل بتایا ہے۔ اور اس کی معرفت کے
کا دستور قرار دیا ہے، ان کے نزدیک تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ
ی ایک ساعت غور و فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے) اور ایک اور جگہ
ے: مِنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةٍ (یعنی اٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے) اور یہ
و فکر کے مدارج کے فرق کے مطابق ہوتا ہے۔ اب اس بارے میں کہ ہر
ے غور و فکر کی رسائی کس حد تک ہے مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ

ں سے

ں قدر گفتیم باقی فکر کن　　　فکر اگر جامد بود رو ذکر کن

ے اتنا کچھ بتا دیا ہے اب تو خود غور و فکر کر، اور اگر غور و فکر کی صلاحیت معطل ہو جائے
یقی کو یاد کر)

کا فرق کہا جاتا ہے کہ ذکر سے انسان عاشق بنتا ہے اور فکر سے
عارف۔ اور ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ذکر کو اشرف و
دانتا ہے۔ اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ کی صفت ہے (جیسا کہ وہ خود
) فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) اور فکر بندہ
ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ جو صفت مولیٰ کی ہے وہ اس صفت
ہ کی ہے افضل ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ذکر خدا کی ذات سے
ے جیسے کہ فرماتا ہے: اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ

صوفی بزرگ، فرقہ مولویہ کے سرخیل۔ مثنوی معنوی کے مصنف۔ پیدائش ۶۰۴ھ / ۱۲۰۷ء
۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء مزار ترکی کے شہر قونیہ میں ہے۔

Marfat.com

زیادہ کرو) اور فکر صرف اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہی کیا جاتا ہے جیسا کہ (ار
نبویؐ ہے) تَفَكَّرُوا فِى الآلِهٖ وَلَا تَفَكَّرُوا فِىْ ذَاتِهٖ (یعنی اس کی نعمتوں
بارے میں غور کرو، ذات کے بارے میں غور و فکر نہ کرو) قصہ مختصر یہ کہ راستہ بغیر
نہیں کھلتا اور فکر خود کار عقل ہی ہے۔ لہذا عقل کو خدا کی معرفت
سلسلہ میں پورا دخل اور بلند پایہ نصیب ہے لیکن مقصود یہ ہے کہ عقل
دین کے معاملات اور حق الیقین کے مرتبہ پر مطلق دخل نہیں ہے او
آسمانی کے مخالف ہے وہ شارع علیہ السلام کے حکم کے برابر اور مف
میں علم نہیں رکھتی البتہ شارع علیہ السلام کی تعلیم کی معرفت رکھتی ہے
اس کی تعریف میں غور و فکر کرنا چاہیئے۔ یعنی جو کچھ فرمایا ہے جس ط
فرمایا ہے اور جو آداب ظاہر کئے ہیں ان سب باتوں کو سوچنا ضرور
اہل تقلید اور اہل تحقیق کے مراتب اسی طرح باقی ہیں: فَاعْتَبِرُوْ
الْاَبْصَارِ (یعنی پس عبرت حاصل کرو اے اہل بصر!)

معقول و منقول کی صحیح تطبیق

آیتوں اور حدیثوں میں تصر
تاویل جو علماء کرتے ہیں۔ اور ا
معقول کے ساتھ تطبیق دیتے ہیں۔ یہ بھی اسی وجہ سے ہے۔ وہ معقو
منقول کو تطبیق دیا جائے اس صورت میں معقول اور صحیح ہے جب و
کے قوانین اور دین کے معلوم و مقررہ احکام کے مطابق اور تتبع میں ہو لیک
کہ محض معقول میں یعنی جو چیز ہماری ناقص سمجھ اور قاصر عقل میں ہ
اور شارع علیہ السلام کے ارشادات میں توقف (ڈھیل دینا) اور یک

ایسی بات پر اعتقاد ہو جو باطن میں نفاق و انکار ہے، قطعاً نامعقول ہے۔ فلاسفہ جنھوں نے شروع میں فلسفہ کی ملمع کی ہوئی چیزوں کو اپنایا اور اپنا شعار بنا لیا تھا کسی طرح بھی سچے مسلمان نہیں ہو سکتے تھے اور اس آیت اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (یعنی پوشیدہ طور پر دینِ خالص کے لئے کوشش نہیں کرتے تو) نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ (یعنی اس بات سے اللہ کی پناہ)

اب تک جو تقریر اور بحث کی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ اہلِ حق کے مذہب کے مطابق عقل، اسبابِ علم میں سے ہے اور مقصود دین علم سے تناقض نہیں رکھتی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَحْكَمُ (اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اسی کا علم سب سے زیادہ صحیح ہے)

وصل ۵

نبی کی سچائی کو سمجھنے کیلئے عقل کی نہیں بلکہ ہدایت کی ضرورت ہے

کہا جاتا ہے کہ عقل ہونا چاہئے تاکہ اس سے نبی کی سچائی، اس کے معجزات کے بارے میں فکر و نظر کے ذریعے سمجھی جا سکے۔ اور عقل کے سوا اس کو کسی اور طریقے سے نہیں معلوم کیا جا سکتا۔ بس عقل ہی اصل ہے خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے بلکہ ہدایت ہونی چاہئے تاکہ نور توفیق حاصل ہو اور منزلِ مقصود تک رسائی ہو سکے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو چند کفارِ قریش ایسے تھے جو کافی عقلمند تھے اور وہ اپنے کاموں میں دقت نظر کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن انوارِ معجزات کا جو بالکل واضح ہے مشاہدہ کرنے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو نہ سمجھ سکے۔ اور اگر انھوں نے سمجھ بھی لیا تو

Marfat.com

حسد اور تکبر و عناد کے سبب۔ کفر اور تکذیب کی راہ پر چل پڑے۔ آخر انھوں نے عقل سے حسد اور تکبر اور عناد نیز ان کے نتائج کی خرابی اور ان کے اجتناب کے طریقے کو کیوں نہ سمجھ لیا اور وہ اس سے راہِ راست کی جانب کیوں نہ چلے اور اپنی عقل اور سمجھ سے کوئی ایسی تدبیر کیوں نہ اختیار کی اور ایسے قواعد و قوانین کیوں نہ مرتب کئے کہ ان کے آبا و اجداد کے دین و ملت کے قاعدے کہ جن پر صدیاں گزر گئی تھیں ختم ہو سکتے۔ ان کے علاوہ اُس زمانے میں اور
ص۲۵ اس کے بعد بعض وہ عقلاء، حکماء، امرا اور سلاطین کہ جن کی حکمت و سلطنت کی چہار دانگِ عالم میں دھوم تھی اور جن کا شہرہ آسمان تک پہنچ رہا تھا اپنی عقل و دانش کے زور سے دین و ملتِ اسلام کے ظہور میں کیوں مانع نہ ہو سکے۔ اور اگر ان میں سے بعض ایسے تھے جو اپنے نفس کے غرور اور ہوس کے غلبہ کے سبب اس خواہش کو دل میں جگہ دیئے ہوئے تھے یا انھوں نے یہ خیال قائم کر رکھا تھا اور وہ قواعد اور قوانین ایجاد کر لئے تھے۔ تو پھر وہ قواعد و قوانین ان کے بعد کیوں باقی نہیں رہے اور انھیں رواج کیوں نصیب نہ ہو سکا۔

اس بات سے یہ معلوم ہو گیا کہ نبوت ایک دوسری چیز ہے اور سلطنت دوسری شے ہے۔ میں نے اس بات کو ایک اور رسالہ میں جو اثباتِ نبوت[1] کے بارے میں لکھا گیا ہے (اس میں میں نے) بیان کیا ہے کہ اثباتِ نبوت کیا چیز ہے اور کون شخص ہے کہ وہ نبوت کو ثابت کر سکے؟ نبوت تو خود ہی وہ شے ہے

---

[1] "اثباتِ نبوت" نامی ایک عربی رسالہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصنیف ہے جس کو اصل متن عربی مع اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے ملنے کا پتہ ادارہ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی ۱۸

Marfat.com

...م چیزوں کو ثابت کرتی ہے۔ یہ بات اسی طرح زبان زد عام ہو گئی اور ...ت بن گئی ہے چنانچہ اس کو اثبات واجب کہا جاتا ہے۔ اپنا مقصود ...وم ہے کہ کیا ہے لیکن جو بات کہ عقل اور عقلا کے خیال میں مجنونوں کی ...ح سرزد ہوتی ہے اس کو وہ لوگ معذور سمجھتے ہیں۔

...ل کا صحیح مصرف

مجھے خوف ہے کہ بات طول کھینچ رہی ہے اور میں اپنے مقصود سے دور ہوتا جا رہا ہوں۔ مقصود ...ں یہ ہے کہ عقل ایک نعمت ہے اور اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے اور ...ل جیسی نعمت کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ غلط راہ پر نہ پڑے۔ تصدیق ...ول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں تفکر کرے اور رسالت کے کاموں میں آپ ...ے احکام کی متابعت کرے۔ اس کی مخالفت میں کوئی بات نہ کہے، اور ...یمان کی سعادت سے محروم نہ ہو۔ کسقدر بد قسمتی اور بد بختی ہے کہ کسی کے ...امنے خوانِ الوانِ نعمت پھیلایا اور پیش کیا جائے اور وہ شخص اس قسم ...ے شک اور تردد اور بحث و جھگڑے میں جا پڑے کہ اس کھانے کی حقیقت ...یا ہے۔ اس کو کون لایا ہے کہاں سے لایا ہے۔ اس سے سیری ہو سکے گی ...نہیں۔ اس کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں۔ اسی قسم کے بیہودہ اور خیالِ خام ...یں پھنس کر حیران و درماندہ ہو جائے، اور دوسرے لوگ آئیں، ان نعمتوں کو ...ھا جائیں اور خوب لطف اٹھائیں، اور وہ خود محروم رہ جائے اور اسی طرح بھوکا مر جائے۔ یا پھر یہ کہ سورج طلوع ہو اور اپنی روشنی سے تمام دنیا کو گھیر لے (یعنی سورج کی روشنی تمام عالم میں پھیل جائے)، اس وقت کوئی

Marfat.com

۲۶ شخص اپنی آنکھ بند کرلے اور بحث و تمحیص میں پڑجائے اور یہ تحقیق و تفتیش کر
لگے کہ اس کا یہ نور کہاں سے آیا ہے، وہ حق ہے یا باطل، اور حقیقت ہے یا
محض خیال ہی خیال ہے، اور اس طرح اس عالمگیر نور سے روشنی نہ حاصل
کرے اور ظلمت ہی میں رہے اور بھٹکتا ہی پھرے اور اسی طرح ناکامی و
نامرادی کے کنوئیں میں گر کر جان دیدے۔ ایسی عقل کس کام کی اور ایسی سمجھ
سے کیا فائدہ۔ اس سے تو بہتر دیوانگی ہی ہے ؎

زیں خرد بیگانہ می باید شدن ۔۔۔ دست در دیوانگی باید زدن
آزمودم عقل دور اندیش را ۔۔۔ بعد ازیں دیوانہ خواہم خویش را

(یعنی: ایسی عقل سے بیگانگی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اور دیوانگی میں ہاتھ مارنا چاہیے۔ میں نے عقل
دور اندیش کو جب آزمالیا۔ اس کے بعد میں نے خود کو دیوانہ بنالیا)

وصل ۲۷

عقل اشیاء کے کنہ و حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے

اگر عقل چیزوں کی حقیقت کے سمجھنے اور
موجودات کے احوال کی معرفت میں مضبوط
و مستحکم ہے تو پھر دنیا بھر کے عاقل اور عا
چیزوں کی خاصیت کے اسباب بیان کرنے میں کیوں عاجزی اور نادانی کا اعتراف
کرتے ہیں۔ مثلاً کہربا میں قوتِ کشش اور سقمونیا میں اسہال کا سبب بننے
کی صلاحیت کیوں ہے اور آخرش یہ نتیجہ نکالا کہ یہ ان چیزوں کی صورتِ
نوعیہ کا اقتضا ہے کہ ان ہی سے ان چیزوں کی تعین و تشخیص کی جاسکتی
ہے۔ کیا بات ہے اس علم کی سوائے اس کے کہ یہ پچھلے جہل کی تلافی کر دیتا

اور بس۔ ایسی صورت میں یہی جو کہدو کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو ایسا ہی پیدا کیا ہے اور اس میں یہ خاصیت رکھدی ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا بات ہے۔ اور اگر اس سلسلہ میں تمہارے پاس اُس کے کسی بھیجے ہوئے انسان کی کوئی اطلاع یا اثر ہے تو اس کو سمجھو اور اس پر اعتقاد رکھو، اور بیکار کی عقل کو چھوڑ دو۔ اور جب اس مسئلہ میں اپنی عجز و نادانی کا اعتراف کرلیا ہے تو سب جگہ ایسا ہی کرو۔ بیچارہ سلمانؔ شاعر کہ جو اپنے نام اور وطن کی وجہ سے حضرت سلمان فارسیؓ کی یاد دلاتا ہے کتنی اچھی بات کہتا ہے ؎

ےه خواجہ سلمان ساوجی کا باپ خواجہ علاؤالدین ایک ذی وجاہت شخص تھا اس لئے اسے تعلیم اچھی ملی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد شاعری کی طرف مائل ہوا اور بہت جلد اسقدر کمال حاصل کرلیا کہ سلطان اویس ایلک خاں کا مصاحب خاص بن گیا۔ بادشاہ کے بڑے بیٹے خواجہ اویس نے اس کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ سلمان ساوجی کے کلام میں وہ حلاوت و لطافت تھی کہ اس کی بنا پر وزیر سلطنت علاؤالدولہ سمنانی نے ایک مرتبہ کہا تھا:— "سمنان کی دو چیزیں بے نظیر ہیں ایک انار سمنان دوسرا شعر سلمان"۔ مولانا جامیؒ بھی اس کی شاعری کی وجہ سے اس کے بیحد قدردان تھے۔ سلمان کا انتقال ۷۶۷ھ ۱۳۶۶ء میں ہوا۔

ےه حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجوسی النسل تھے۔ تلاشِ حق میں انھوں نے بہت سے سفر کئے سخت تکلیفیں اٹھائیں مختلف مذاہب اختیار کئے اور کئی آقاؤں کی غلامی میں رہے۔ آخر ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں مدائن کے گورنر رہے اور وہیں ۳۵ھ ۶۵۶ء میں انتقال فرمایا۔ ان کی عمر ڈھائی سو سال اور بعض روایتوں کی بنا پر ساڑھے تین سو سال بتائی جاتی ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ جیسے صحابہ نے روایت کی ہے۔

وما او تیت می خوانی و می گوئی کہ می دانم علوم غیب اگر ہستی علوم غیب را دانا
بگو تا فتنہ بر آتش چرا گر دید پروانہ مگو تا آتش خورشید رخشاں از چہ شد حربا

(یعنی تم پڑھتے تو ہو کہ تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اور کہتے یہ ہو کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اگر واقعی تمہیں غیب کا علم ہے تو بتاؤ کہ پروانہ آگ پر اس درجہ فریفتہ کیوں ہے اور یہ بھی بتاؤ کہ آخر حربا نام کا جانور جو سورج کا عاشق ہے اس کے ساتھ ساتھ کیوں گھومتا رہتا ہے۔)

۲۷ دینِ اسلام نے کس طرح لوگوں کے درجے بلند کئے

یہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو سو پچاس سال سے زیادہ (عمر میں) پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طلب میں نکل کھڑے ہوئے انھوں نے دنیا بھر کا چکر لگایا۔ اور مختلف دینوں میں داخل ہوئے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے جال میں پھنسے اور کئی جگہ فروخت بھی ہوئے لیکن آخر میں مقصود اصلی تک پہنچ گئے۔ سبحان اللہ۔ وہ ایک ہی اطلاع پاکر اس درجہ والا و حیران ہوئے لیکن اب ہزارہا اخبار سامنے ہیں اور کوئی شخص ان پر کان نہیں دھرتا اور ایک قدم بھی آگے کی طرف نہیں اٹھاتا۔ ہائے ری غفلت۔ سلمانؓ ایک بندہ ہے لیکن اس نے تمام ایرانیوں کے جگر پر غیرت اور حسرت کا داغ قائم کر دیا ہے خواہ ان میں نوشیرواں[1] ہو یا خسرو[2]۔ اسی طرح سے صہیب[3] رومیؓ کا ستارہ

---

[1] ایران کے ساسانی خاندان کا مشہور فرمانروا جو اپنے عدل و انصاف کی بنا پر نوشیرواں عادل کہلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ایران میں اسی بادشاہ کی حکومت تھی۔ اسی بادشاہ کے زمانہ میں مزدکیت کا خاتمہ ہوا۔

[2] خسرو پرویز ساسانی خاندان کا وہ فرمانروا تھا (باقی بر صفحہ آئندہ)

قیصر رومؒ کو رشک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور بلالِ حبشیؓ کے بارے میں میں خود کہہ سکتا ہوں کہ وہ دینِ اسلام کے رخسار کا ایک خالِ مشکیں ہیں۔

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) جو اپنی شان و شوکت کی وجہ سے ضرب المثل ہوگیا ہے اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا لیکن اس گمراہ نے آپ کا نامۂ مبارک چاک کر دیا اور آپؐ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ لیکن چند روز بعد اپنے بیٹے شیر دیا کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوا۔

۳؎ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کی کنیت ابو یحییٰ تھی۔ شہر موصل کے رہنے والے تھے۔ ایک حملہ کے دوران رومی ان کو گرفتار کر کے لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر بہت کم تھی۔ اس لئے ان کی نشو و نما روم میں ہوئی اور وہ صہیبؓ رومی کے نام سے مشہور ہوئے بنو کلب نے ان کو رومیوں سے خرید کر عبداللہ بن جُدعان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو قریش نے ان کو بڑی تکلیفیں پہنچائیں۔ چنانچہ انھوں نے مدینہ کو ہجرت کی وہیں ۸۰ھ ۶۹۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔ جنت البقیع میں آسودہ ہیں۔ آپؓ سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا)

۱؎ سلطنت روما کے شہنشاہوں کا لقب قیصر ہوتا تھا۔ پہلا قیصر جولیس سیزر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشرقی سلطنت روما کا شہنشاہ قیصر ہرقل ہوا ہے اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا لیکن اپنی ازلی بدبختی کے سبب وہ اس دولت بے بہا کو قبول نہ کر سکا۔

۲؎ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ ان لوگوں میں تھے جو شروع زمانے میں ایمان لائے اور جنھوں نے راہِ خدا میں سخت اذیتیں اٹھائیں۔ سب کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت کی۔ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ مسجد نبویؐ کے موذن تھے۔ آواز میں بیحد درد تھا آخر عمر میں دمشق میں رہنے لگے وہیں ۲۰ھ ۶۴۱ء میں انتقال ہوا۔

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
اَلسُّبَّاقُ اَرْبَعَۃٌ اَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ (الحدیث)

(یعنی سب پر سبقت لیجانے والے چار ہیں میں سابق العرب ہوں) آپؐ کا ارشاد ہے کہ اس راہ کے سبقت لے جانے والے کہ جس راہ پر چل کر اللہ کی درگاہ میں پہنچتے ہیں اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مِنْھُمْ مُقْتَصِدٌ وَ مِنْھُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرَاتِ (یعنی ان میں وہ لوگ ہیں جو درمیانی راہ پر چلتے ہیں اور اچھی باتوں میں سبقت لیجاتے ہیں) — چار ہیں۔ میں عرب کا سابق ہوں، دوسرے سلمانؓ ہیں جو فارس کے سابق ہیں، اس کے بعد صہیبؓ روم کے، اور بلالؓ حبشہ کے ہیں۔

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری روح آپ پر قربان! یہ آپ نے کیا بات فرمائی ہے اور یہ کیسی رحمت اور تواضع ہے اور کسقدر شرف واکرام ہے کہ جو آپؐ فقیروں اور غریبوں کو عنایت فرما رہے ہیں اور خود کو ان ہی میں شمار کر رہے ہیں۔ آپؐ تو سب پر سبقت لے جانے والے ہیں۔ آپؐ ہر جان کی جان ہیں۔ آپؐ کو کسی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اور کوئی شخص آپؐ کی کسی بات میں کیسے شریک ہو سکتا ہے۔ درحقیقت آپؐ اپنے پروردگار کی جانب سے مامور ہیں کہ فقیروں کی صحبت اختیار کریں اور ان کے ساتھ بیٹھیں۔ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ (یعنی آپؐ خود کو ان کے ساتھ منسلک کریں کہ جو اپنے پروردگار کی یاد میں لگے رہتے ہیں) ؎

ہلا خوش باش کان محبوب جاں را | بدرویشاں و مسکیناں سر است

(یعنی اس امر سے آگاہ اور خوش ہو کہ ہمارا محبوب درویشوں اور مسکینوں کا خیال رکھتا ہے)

خدا جانتا ہے کہ فقیروں کی قدر و عزت سے ان کو کیا بات ظاہر ہوئی ہے
جس کی وجہ سے ان کی یہ سب خاطر داری ہو رہی ہے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۲۸
ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان (تین غلاموں) ...ں سے کسی ایک سے کچھ نزاع ہوگئی اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو کچھ ...خت بات کہدی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ...اضر ہوئے اور اس واقعہ کو دوہرایا آپؐ نے فرمایا "اے ابو بکر! سمجھو سمجھو۔ ...لدی جاؤ، ان کی دلجوئی کرو، ان سے معذرت چاہو، اور معافی مانگو۔ اگر تم نے ...ان میں سے ایک کو بھی رنجیدہ کردیا تو یقین مانو کہ تم خداوندِ عرشِ عظیم کو ...رنجیدہ کردو گے"۔

اسلام سے تعلق یا عشق

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت تھی کہ اگر ان سے پوچھا جاتا تھا کہ "تمہارا حسب نسب کیا ہے؟" تو وہ کہتے "میرا نسب اسلام ہے"۔ اگر ان سے کہا جاتا "تمہارے باپ کون ہیں؟" تو وہ کہتے "میرے باپ اسلام ہیں۔ جب میرا دین ہی اسلام ہے تو میری ہر چیز اسلام ہے۔ آخر یہ دین ہی تو ہے جو ماں، باپ، بھائی اور ہر اس شخص سے جس کو عزیز تر کہا جاتا ہے زیادہ قریب ہے"۔

صحابہ کرامؓ میں بعض حضرات ایسے تھے جنھوں نے اسلام کی خاطر اپنے ہاتھوں، بھائیوں اور عزیزوں کو قتل کر دیا تھا اور اس طرح اپنے عشق و محبت کا ثبوت دیا تھا۔ تمہیں چاہیے کہ تم بھی ایسے ہی ہو جاؤ تاکہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچے اور تم سے ریا کا عنصر خارج ہو جائے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ

کے بارے میں اس طرح کی حدیث آئی ہے: لَوْ كَانَ الْعِلْمُ اَوِالدِّيْنُ مُعَ
بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ اَوْ رِجَالٌ مِنْ فَارِسٍ (یعنی اگر علم آسمانوں میں ہو تو ہر صور
فارس کا کوئی شخص یا فارس کے کچھ اشخاص ہی اس کو حاصل کریں گے)۔ اگر روایت میں
"رجل" ہے تو اس سے مراد حضرت سلمانؓ کی ذات ہے۔ اور اگر "رجال" ہے
اس سے ان کی اور ان جیسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے (لہذا) تم بھی ایک بن
ہو۔ آؤ اور ایمان لاؤ اور اعتقاد کو مضبوط کرو، وہ تمام چیزوں کی تعلیم تمہیں
مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ اَوْرَثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (یعنی جس شخص نے اس چیز
عمل کیا جس چیز کا اسے علم ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز دیتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہے)

علم بقدرِ استعداد عطا ہوتا ہے

یہ تمام باتیں جو تم جانتے ہو مگر بغیر تعلیم
جانتے ہو۔ اور تعلیم کے بعد تمہیں معلو
ہو جاتا ہے کہ یہ امر معقول اور ممکن ہے۔ حالانکہ بغیر تعلیم اور تعریف کے
وہ بات محال ظاہر ہوتی ہے۔ محال وہی ہے کہ جس کی تعلیم نہیں کی گ
اور جس کی فہم اور سمجھ نہیں دی گئی۔ پس لوگ اس کے جاننے سے ناامید
ہو کر بیٹھ گئے اور اس کو محال سمجھ بیٹھے تو تم ناامید ہو کر نہ بیٹھو۔ اگر خود کو ۲۹
پوری طرح اس کے سپرد کر دو گے تو وہ سب باتوں کی تم کو تعلیم دیدے گ
لیکن استعداد اور قابلیت کے بقدر، کہ یہ استعداد و قابلیت بھی اسی کی
بنائی ہوئی اور تخلیق کی ہوئی ہے، نہ ماہیت کے مقتضا سے ہے اور
مزاج اور طبیعت کے تابع ہے۔

یہاں سے پھر راستہ ظلمت آباد فلسفہ کی طرف جاتا ہے (بہر حال تم

Marfat.com

نیک رہو تاکہ بھٹکتے نہ پھرو۔ ہمیشہ آفتابِ نبوتؐ اور بابِ رحمت کے مقابلے میں گردن جھکائے بیٹھے رہو اور حال یا قال کی زبان سے تضرع و زاری کے ذریعے انوارِ رحمت سے فیض حاصل کرو، اس جگہ سے تمہارے دل پر روشنی پڑے گی کیونکہ اس روشنی سے سینہ روشن و منور ہو جاتا ہے اور اس کی تجلی سے ایمان بالغیب کی صورت پیدا ہوتی ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (یعنی: جس کسی کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے اس کو اس کے رب کی جانب سے روشنی پہنچتی ہے)۔ کوئی شخص آفتاب کے بالمقابل بیٹھا رہے اور پھر بھی روشنی نہ پائے اور نہ گرمی محسوس کرے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ اور اس آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اتنی حرارت پہنچائیں کہ آگ ہی آگ ہو جائے اور ان کے سوا جو چیز ہو وہ جل بھن کر خاک ہو جائے۔ اس وقت پتہ چل جائے کہ وہ حجت اور تاویل جو آفتاب کی نورانیت اور اس کے جلال و سطوت کے بارے میں کی گئی تھی کہاں چلی گئی ؎

مصطفیٰ اندر جہاں آنگہ کسے گوید ز عقل　　　آفتاب اندر جہاں آنگہ کسے گوید سہا

(یعنی) کوئی شخص عقل کی مدد سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو سمجھنا چاہے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ جب آفتاب چمک رہا ہو تو کوئی شخص ستارہ سہاؔ[1] کو تلاش کرے)

---

[1] ثابت تاروں کے مشہور و معروف مجموعہ بنات النعش کبریٰ میں سات روشن ستارے اس ترتیب سے قائم ہیں کہ اگلے چار ستاروں سے ایک پیالہ بن جاتا ہے اور پچھلے تین ستاروں سے اس پیالہ کا دستہ تیار ہوتا ہے۔ دستے کے تین ستاروں میں سے بیچ کے ستارے کے قریب ایک بہت دھندلا ستارہ واقع ہے جو بہت غور سے دیکھنے پر نظر آتا ہے۔ یہ ستارہ سہا یا اخوار کہلاتا ہے۔ جب معمولی ستاروں کے مقابلہ میں اس ستارہ کی روشنی اسقدر مدہم ہے تو آفتاب کے مقابلے میں اس کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ اس بات کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو تشبیہ نہایت مکمل اور لطیف معلوم ہوگی۔

وصل ۲۷

نورِ حقیقت دل کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے

بات ذرا طویل ہو گئی اور کہیں سے کہیں جا پہنچی، گویا اس نے ایک دوسرا رنگ پیدا کر دیا، اور ایک اور روشنی اس پر پڑنے لگی، تاہم مطلع صاف ہو گیا اور خورشیدِ حقیقت ابر کے گوشہ سے نمودار ہوا اور صحیح مرکز پر توجہ قائم ہو گئی اس سب کو اس نور کا فروغ سمجھنا چاہیئے کہ جس نے خیال کے روزن (سوراخ) سے پرتو ڈال کر سینہ کو روشن کر دیا ہے۔ اس نور کو محض دل کی آنکھوں سے پایا جا سکتا ہے ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن حال کے غلبہ سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جو لوگ مجوبان اہل زمانہ ہیں ان کو یہیں سے شبہ (اشتباہ) ہو جاتا ہے اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم حقیقت کو ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور دوسروں کو بھی دکھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ! پہلے لوگوں میں سے کسی نے بھی اس بے باکی سے گفتگو نہیں کی۔ بات حقیقت میں وہی ہے جو اربابِ تمکین میں سے بعض محققین نے قرار دی ہے اور قانون بنا دیا ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تمام کا تمام یا غلبۂ حال کی وجہ سے ہے یا محض ان کا دعوٰی ہے۔ چنانچہ تعرف میں فرمایا ہے کہ لَمْ يَذْهَبْ اِلٰی اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مَرْئِیٌّ بِالْبَصَرِ فِی الدُّنْیَا اِلَّا شِرْذِمَةٌ قَلِیْلَةٌ مِنَ الْمُتَصَوِّفَةِ لَا یُعْبَأُ بِھِمْ (یعنی: خدائے تعالیٰ کو جو بے مثل ہے ظاہری آنکھوں سے دیکھنا مشائخ طریقت میں سے کسی کے لئے ممکن نہیں سوائے ان متصوفین کے جن کی بات پایۂ اعتبار سے ساقط ہے) وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس راہ کا سالک

اس مقام پر جا پہنچتا ہے جہاں بصارت اور بصیرت دونوں ایک ہو جاتی ہیں اور درمیان سے معنی و مطلب کا پردہ ہٹ جاتا ہے۔ اس وقت خواہ یہ کہے کہ میں دل کی آنکھ سے دیکھتا ہوں یا ظاہری آنکھوں سے' دونوں عبارتوں کا ماحصل ایک ہی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ کیا اشارہ ہے کہ جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ حقیقتِ حال کو وہی لوگ جانتے ہیں جنھوں نے یہ بات کہی ہے یا معلوم کی ہے۔ لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ اس مرتبہ کا وجود بالکل نادر اور نایاب ہے۔ ایک ان میں سے بالکل اہلِ وحدت الوجود کے مذہب کے اعتقاد اور توحید کے معنی کے تخیل اور ان کی بات کے فہم کے مطابق ہے۔ وہ ایک بات کہتا ہے جو ذکر کی (وجہ سے قلب کی) صفائی اور باطن کی روشنی کے بقدر اسی کو پہنچی ہے یا حال کے منبع سے ٹپکنے کا دعوی کرتا ہے۔ اس قسم کی باتیں (کرنی) آسان ہیں لیکن جو بات کیفیت کے غلبہ اور سطوتِ سلطانِ وقت کے باعث پیش آتی ہے اس کی تاثیر اور حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ اور اس کے باوجود حق وہ ہے جو حقیقت کے کھولنے والوں اور مقامِ تمکین کے رہنے والوں نے قرار دیا ہے جن کی قوتِ مزاجیہ علم و حال اعتدالِ حقیقی تک جا پہنچی ہے اور جو احوال و ۳۱ مقامات کے نگہبان و رقیب ہیں۔

حضرت شیخؒ کے ایک مرید کا واقعہ

ہمارے شیخ غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کے مریدوں میں سے ایک مرید نے اس بات کا دعوی کیا کہ میں خدائے تعالیٰ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ جب یہ بات حضرت شیخ

Marfat.com

کی خدمت میں بیان کی گئی تو آپؒ نے اس کو منع فرمایا اور تنبیہ کی۔ یہاں تک کہ اُس شخص نے اس کے بعد وہ بات نہیں دہرائی اور اس سے متعلق ذرا کوئی بات نہیں کی۔ لوگوں نے (حضرت شیخ قدس سرہ سے) عرض کیا کہ زجر اور نصیحت ایک دوسری ہی بات ہے۔ اصل سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس دعوی میں حق پر ہے یا باطل پر؟ آپ نے فرمایا کہ حق مشتبہ ہے، وہ اپنی دریافت اور معلومات کے مطابق صحیح کہتا ہے۔ لیکن اس کو حقیقت حال سے اطلاع ہی مشتبہ ہوگئی ہے اور اس نے اس چیز کے راز کو نہیں سمجھا ہے۔ اس نے (واقعی حقیقت کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھا ہے۔ اور اس کی بصیرت نے اس کی بصارت کی جانب ایک سوراخ کھول دیا۔ درحقیقت اس کی بصارت کی نظر نے بصیرت پر غلبہ پاکر گمان کیا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ اس کی بصارت کا نتیجہ ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (یعنی (اللہ تعالیٰ نے) چلائے دو دریا مل کر چلنے والے، ان دونوں میں ایک پردہ ہے تاکہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے)

یہ کلمہ اُن حضرت (یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) نے فرمایا ہی تھا کہ حاضرین پر اس سے بیہوشی اور دیوانگی طاری ہوگئی اور وہ صحرا کی جانب نکل گئے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) جو بات حقیقت پر مبنی ہوتی ہے اس کی ایسی ہی تاثیر ہوتی ہے۔ اور یہ حکایت جو دعوی کے طور پر پیش کی گئی ہے اس کا یہی حال ہے کہ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ وَلَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ (وہ لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں مگر وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا)۔

Marfat.com

وصل ۸

شرع شریف کی اہمیت

ایک مرتبہ پھر بات کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں اپنے مقصود سے دور جا پڑا ہوں، اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ مقصود سے قریب آگیا ہوں بلکہ عین مقصود میں پہنچ گیا ہوں۔ اگر اہلِ صنعتِ تصنیف کی اصطلاح میں کلام کی ترتیب ہاتھ سے جاتی رہے تو کہنا چاہیے کہ اختیار کی باگ ڈور انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

اسی سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عقل کو ایمان کے بھیدوں اور آخرت کے ص۳۲
احوال اور عالمِ اجسام اور عالمِ ملکوت اور اللہ جلّ شانہ اور عظّم برہانہ کے اوامر و نواہی کی حقیقت کے جاننے میں شرع شریف کی تعلیم اور آسمانی وحی کے بغیر کوئی راستہ نہیں ہے۔ لہٰذا راہِ راست یہ ہے کہ عقل کو نقل کا تابع بنائیں اور عقل پر کسی طرح کا اعتماد نہ کریں اور کسی طرح کی بحث و تکرار کو کام میں نہ لائیں۔ بندہ بنیں اور انقیاد و تسلیم اختیار کریں ؎

زباں تازہ کردن باقرارِ تو — نہ انگیختن حجت از کارِ تو

(یعنی: زبان کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے اقرار سے تازہ کرنا چاہیے نہ کہ اس کے کاموں میں چون و چرا سے کام لیا جائے)

رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کا اتباع ہی نجات کا ذریعہ ہے

اور اس درستی و راستی سے کہ جو اہل سنت و جماعت کے مذہب کی ایک خوبی ہے یہ بات ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ (یعنی: وہ لوگ جو میرے اور

Marfat.com

میرے اصحاب کے طریقے پر قائم ہیں) وہی نجات پانے والا فرقہ ہے کہ بقول حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم: اِلَّا وَاحِدَۃً مِّنْھُمْ (یعنی: تمام (فرقوں) میں سے وہی ایک فرقہ) مستثنیٰ اور ممتاز ہوگیا ہے۔ اور دین کے تمام ائمہ اور طریقت کے جملہ مشائخ جو مشہور ہیں اور جن کا تذکرہ صفحاتِ روزگار پر لکھا ہوا ہے اسی مذہب میں داخل ہیں اور اسی پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور مشائخ کی کتابوں میں جہاں وہ اپنے عقیدہ کا ذکر کرتے ہیں، یہی اعتقاد ہے۔

اہلِ بدعت نورِ ولایت و حقیقت سے محروم ہیں

ارباب بدعت اور اہلِ ہوا میں سے کوئی ایک بھی مقامِ قرب تک نہیں پہنچا ہے اور نورِ ولایت کے محل تک نہیں پھرا ہے۔ مشائخ کرامؒ نے فرمایا ہے کہ بدعت کی تاریکی کا وجود ہی عملاً اور اعتقاداً ہدایت اور ولایت کی روشنی کے ظہور کا مانع ہے جب تک دل بدعت کی گندگی سے پاک نہ ہو جائے اور سنت کی آرائش کا محل نہ بن جائے اس وقت تک حقیقت کے بھید کا انکشاف نہیں ہوتا اور نورِ یقین دل میں داخل نہیں ہو سکتا۔

جمالِ شاہدِ قرآں نقاب آنگاہ بکشاید   کہ دار الملک ایماں را بیابد خالی از غوغا

(قرآن کا جمال اسوقت بے نقاب ہوتا ہے جب وہ ایمان کے دار الملک کیلئے شور و غوغا سے خالی ہو جائے)

وصل ۹   ص ۳۳

صوفیہ ہی رازِ حقیقت کو صحیح طور پر جانتے ہیں

لوگ یہ گمان نہ کریں کہ تصوف کا طریقہ اہل سنت و جماعت کے مذہب کے خلاف ہے اور یہ کہ صوفیہ کا فرقہ اس فرقۂ ناجیہ کے علاوہ کوئی اور

فرقہ ہے۔ درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ اس سب سے صحیح ملت کے محققین یہ صوفیہ ہی ہیں کہ جو ظاہر اور باطن دونوں کے انوار سنت کو حاصل کرنے والے اور حقیقت کے بھید کو کھولنے والے ہیں۔ سلوک میں طریقت نام ہے عمل اور حال کے اعتبار سے پیروی کرنے اور ظاہر و باطن میں عزیمت اختیار کرنے کا۔ اور صدق و اخلاص کے معنوں کی تحقیق کرنے، نفس کے مکر اور زہد و ورع کی باریکیوں کو سمجھنے اور تہذیب و اخلاق اور باطن کی صفائی کرنے کا کہ کوئی شخص بھی ان سے بہتر طریقے سے نہیں پیش کر سکا۔ اور اعمال و اخلاق، احوال و مقامات، وجد اور ذوق نکتے اور اشارے اور تمام کمالات میں جو کچھ ان کو میسر ہوا ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ[1] جو حدیث کے بڑے علمائے متاخرین میں شمار کئے جاتے ہیں اپنے عقائد کے بارے میں خود لکھتے ہیں: وَ نَعْتَقِدُ اَنَّ طَرِیْقَ الْجُنَیْدِ وَ صَحْبِہٖ طَرِیْقٌ مُقَوَّمٌ (یعنی ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ طریقہ جنیدیہ اور ان کے اصحاب کا طریقہ سب سے زیادہ صحیح طریقہ ہے) اور طریقہ جنیدیہ اور ان کے اصحاب کے طریقے کی تخصیص کرنے سے ان کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ طریقۂ جنیدیہ اور ان کے اصحاب یعنی ان کے امثال و اقران کا طریقہ جامع ہے۔ اس لئے کہ اس میں کتاب و سنت تعظیم و تحکیم اور ظاہر کا باطن پر مقدم ہونا اور شریعت اور حقیقت کے مابین اجتماع سب سے

---

[1] حضرت شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نویں صدی ہجری کے مورخ، محدث اور مفسر ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد کثیر ہے۔ ان میں تاریخ الخلفاء، اتقان اور تفسیر جلالین بہت مشہور ہیں ان کا اہم کارنامہ متقدمین کے علوم کو جمع کرنا ہے۔ ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء میں انتقال فرمایا۔

زیادہ مکمل طریقہ پر کیا گیا ہے اور ان کے طریقے میں ظاہری احکام کو ذلیل و حقیر گردانا اور شریعت کے فتویٰ میں رعایت کا ترک کرنا قطعاً نہیں ہے۔

طریقۂ جنیدیہ کی بنا کتاب و سنت پر ہے

منقول ہے کہ انھوں (جنید بغدادی[1] قدس سرہ) نے فرمایا ہے کہ: "ہمارے طریقے کی بنا کتاب و سنت پر ہے۔ اور جو کچھ کتاب و سنت کے خلاف اور اس سے باہر ہے، وہ قطعاً مردود اور باطل ہے۔" اور انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "اگر ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت میں ذوق و حضور اور خشیت و خشوع حاصل ہو جائے
تو کامیابی کا دروازہ کھلنے کی پوری امید ہے مگر یہ کہ عقیدہ محدود و مسدود ہے" ۳۴ھ
اور انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے "جس کسی نے حدیث شریف نہیں سنی اور جو کوئی فقہا کے ساتھ نہیں بیٹھا۔ اور جس نے ادب سکھانے والے سے ادب نہیں سیکھا ایسے آدمی کی اگر کوئی پیروی کرتا ہے تو وہ تباہی کے گڑھے میں گرتا ہے"۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (الآیہ) (یعنی: کہدے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور پاکیزگی اللہ تعالیٰ کو ہے اور یہ کہ میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔)

---

[1] سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ حضرت سری السقطیؒ کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ بڑے عالم دین اور عارف کامل تھے۔ آپ کا پیشہ آبگینہ فروشی تھا۔ اس لئے قواریری کہلاتے ہیں فقہ میں حضرت سفیان ثوریؒ کے متبع تھے۔ طریقے میں آپ کے مسلک کی بنیاد صحو پر تھی۔ شریعت کا بے انتہا پاس و لحاظ تھا۔ آپ کا سلسلہ جنیدیہ کہلاتا ہے۔ ۲۷ رجب ۲۹۷ھ / ۹۱۰ء کو بغداد میں انتقال فرمایا۔

مشائخ کے شطحیات و ہفوات مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس حقیقت کو شریعت رد کرتی ہو وہ بے دینی ہے اور اس گروہ میں سے بعضے لوگ حال کے غلبے اور محبت میں محویت کی وجہ سے کچھ ایسے کلمات اور اشارات زبان سے نکالتے ہیں جو اہل ظاہر کی سمجھ میں نہیں آتے اور ان میں سے بعض ایسے اعمال اور حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو بظاہر شریعت کے فتوے کی مخالف ہوتی ہیں اور ان کو مشائخ کی شطحیات اور ان کے ہفوات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کو مبہمات اور موہمات بھی کہتے ہیں۔ مثلاً "اَنَا الحق" (میں خدا ہوں) یا "سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ" (میری شان کتنی بڑی ہے) یا "لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہُ" (میرے اندر اللہ کے سوا اور کچھ نہیں) یا "اَنَا ھُوَ وَھُوَ اَنَا" (میں وہ ہوں اور وہ میں ہے) اور اسی طرح کے اور دوسرے کلمات اور افعال کی مثال ہے جیسے ڈاڑھی سے روشنی کے نکلنے کی (حضرت شبلیؒ کی طرف اشارہ ہے) اور کپڑے کے پیوند۔ اور ان درہموں کی بات کا دل میں آنا جو پانی میں پڑے تھے۔ اور اس بات کا دل میں پیدا ہونا کہ نفس ہلاکت میں مبتلا ہے۔ اور یہ مثالیں اور ان کلمات اور افعال کے صادر ہونے کا منشا دراصل طفح سکر، غلبۂ حال، ضبط اور اختیار کا فقدان ہے۔

صوفیہ کے احوال ایک دوسری قسم اوضاع، آداب، اصطلاحات اور استحسانات کی ہے جو اس گروہ سے مخصوص ہے اس کی مثال رباط کا بنانا، خرقہ کا پہننا، ڈاڑھی کے بال تراشنا، ذکر کی کیفیات کا طاری ہونا۔ خلوت نشینی اختیار کرنا، سماع کی محفلوں کا منعقد کرنا اور

Marfat.com

اور اسی طرح کی اور باتیں ہیں۔ ان امور کے لئے ان لوگوں کے پاس بعض اجتہادات اور استنباطات ہیں جیسے کہ فقہ کے علما کے پاس ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی علم کے ابواب میں سے ایک ہے کہ جس میں اجتہاد کے صحیح ہونے اور اس کی شرطوں اور سنت و بدعت کی تحقیق کے سلسلہ میں کلام کیا جا سکتا ہے۔ یہ قسم احوال میں داخل نہیں ہے اور اس میں صوفی اور فقیہ دونوں
برابر ہیں۔ اور یہ دونوں مطالب اصل اور صحت کی بنا پر دلیل ہیں۔ لیکن پہلی ۳۵
قسم غلبۂ احوال کی وجہ سے ہے۔ اور اس گروہ سے جو کچھ حالتِ سکر اور غلبۂ حال میں صادر ہوتا ہے وہ قولاً اور فعلاً محفوظ طریقہ ہے۔ اس طریقہ میں تسلیم و رضا ہے یہ حضرات اپنے مریدوں کو اس بات کی ہدایت نہیں کرتے تھے کہ وہ انکار اور اعتراض کے خیال سے ترک مبادرت کریں۔ یا تقلید کو ناجائز سمجھیں اور ان امور میں متابعت اور اقتدا کے طور پر خود ان کا اتباع کریں۔ بلکہ اس سے باز رکھتے اور منع کرتے تھے۔ احکامِ شریعت اور قواعدِ طریقت میں اتباع و اقتدا ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد علم پر ہے ذوق اور وجدان کی جزئیات میں نہیں کہ جس کی بنیاد حال پر ہے۔

احوالِ مشائخ کے بارے میں تین گروہ

غلبہ احوال مشائخ اور ان کی شطحیات کے بارے میں بھی تمام لوگوں کے تین گروہ ہیں۔ پہلا گروہ فقہاءِ محض اور علماءِ ظاہر کا ہے کہ وہ انکار کی راہ پر چلتے ہیں اور اس کو تسلیم نہیں کرتے اور جن کو غلبۂ احوال ہوتا ہے اس کو معذور نہیں سمجھتے۔ پھر ان فقہا کے بھی دو گروہ کر دیئے گئے ہیں۔ ایک

گروہ ان لوگوں کا ہے جو واقعہ کے مطابق اور حکم نفس الامر سے قطعاً منکر ہیں ظاہراً اور باطناً اس کو باطل اور فاسد قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے واقف کاروں کو جہل اور جنون سے نسبت دیتے ہیں۔ اس کا سبب ان (فقہا) کی بے مناسبتی و بے مشربی اور ان کی طبیعت کا جمود نیز ان کے باطن کی خرابی ہے۔ اور اس طرزِ عمل میں اُن کے لئے ڈر ہے کہ وہ برکتوں سے محروم رہ جائیں اور ان کا انجام بُرا ہو۔

فقہا کا دوسرا گروہ ظاہر میں عوام کے لعن طعن کے خیال اور ذرائع کے ختم ہو جانے کے سبب انکار کرتا ہے۔ اور رد و انکار میں پہلے گروہ کا شریک ہے لیکن دل کو زبان کے موافق نہیں رکھ سکتا اور اس لئے باطن میں منکر نہیں ہوتا یہ دونوں گروہ مشائخ کے حق میں تقصیر و تفریط میں مبتلا ہیں۔ جہاں تک ان دونوں کے درمیان فرق کا تعلق ہے دوسرا گروہ غلو اور افراط میں مبتلا ہے اور اس بات پر اعتقاد رکھتا ہے کہ جو کچھ ان مشائخ نے کہا ہے خواہ ان کا
وہ فعل کتنا ہی خلافِ شرع ہو وہی حق ہے بلکہ در حقیقت وہی شریعت ہے۔ ص ۳۶

دوسرے گروہ کے لوگ کہتے ہیں حاشا و کلا کہ ان سے یہ کام شریعت کے خلاف سرزد ہو گیا۔ اس فرقہ کے نزدیک علما کے اقوال اور فقہ کی روایات کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور وہ اس کو مشائخ کے ساتھ محبت اور پیروں سے عقیدت پر محمول کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض لوگ تکلف اور چرب زبانی اور مصلحتِ وقت کی بنا پر فقہ اور شریعت کی پابندی کا اظہار کرتے ہیں لیکن وقت اور حال دلالت کرتا ہے کہ مضمرِ باطن اور سرِ مکنون یہی ہے۔

Marfat.com

متصوفین اور فقہاء متقشفہ

جہلاء اس گروہ کو صوفیہ اور فرقہ اول کو فقہاء متقشفہ کہتے ہیں، اگرچہ پہلا فرقہ جمود اور کند ذہنی ہونے میں بڑھا ہوا ہے لیکن اس دوسرے فرقے کا قدم جہل اور ضلالت میں زیادہ آگے ہے۔ ان میں اتنا ہی فرق ہے کہ پہلا فرقہ بغیر عرفان کے ہے اور دوسرا فرقہ بغیر ایمان کے۔ پہلا فرقہ معرفت کے مقام میں داخل ہی نہیں ہوا ہے اور دوسرا اسلام کے دائرہ سے نکل گیا ہے اس لئے کہ منکر کی سند بظاہر شریعت اور علم کی حکمت ہے اور وہ اس میں معذور ہے۔ اور دونوں گروہ پوری طرح افراط و تفریط میں جا پڑے ہیں۔

راہِ تسلیم اور غلبۂ وجد و حال

بحث کا طریقہ جو اعتدال اور توسط کا مرکز ہے وہ تسلیم ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" (یعنی اسلام قبول کرو سلامت رہوگے)۔ دراصل تسلیم کے معنی یہ ہیں کہ لوگ جان لیں کہ ان امور کا منشا صحیح حالت، درست نسبت اور سچی نیت ہے۔ لیکن حال اور وجد کے غلبہ کی وجہ سے ثبات کا قدم اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے اور ضبط و اختیار کی عنان ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ شریعت کے لحاظ سے اس فعل کی جو برائی ہے وہ نظر سے ساقط ہو جاتی ہے اور صرف معنی اور روحِ عمل پر نظر جم کر رہ جاتی ہے کہ یہی چیزیں حضوری و اخلاص کا موجب ہیں، اور قدم درمیانی راستے کے سرے پر پہنچکر لڑکھڑا جاتا ہے اور اگر اس حالت کو عالمِ ظاہر میں مثال کے ذریعہ سمجھنا چاہیں تو یہ حالتِ غضب کی روانی اور فرحت والی ہے۔ اور وہ درجوں اور مرتبوں کے تفاوت کی

Marfat.com

بنا پر ہے کہ کس حد تک وہ کسی عقلمند آدمی کو کس طرح حرکت دیتی، بے اختیار کرتی اور بے خود بناتی ہے۔ اگرچہ اختیار کا وہ حصہ جو کسی فعل کا موجب و مبدا ہوتا ہے باقی رہتا ہے لیکن بات اصل میں خطا ہونے، قائم رہنے، غالب ہونے یا مغلوب ہونے کی ہے۔ وجد اور حال کے غلبہ کو بھی اسی بات پر قیاس کر لیا جائے اور یہ چیز سکر و تلوین اور حال کے ابتدا میں نہیں ہوتا۔

ارباب صحو و تمکین

لیکن ارباب صحو و تمکین جو انتہا کے درجے پر پہنچ جاتے ہیں اور جو استقامت اور اعتدالِ حقیقی کے مقام پر متمکن ہو گئے ہیں ان کا ظاہر باطن کے ساتھ برابری کا درجہ رکھتا ہے اور ان کا فرق اور جمع دونوں برابر ہیں، ان پر مستی حال کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور نہ وہ افراط و تفریط میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ابتدا اور انتہا سے قطع نظر اس گروہ میں سے بعض کو ایسے اطوار اور احوال لاحق ہوتے ہیں جو ان کو مقامِ ثبات اور اختیار سے باہر کر دیتے ہیں۔ ایک کو عمل کی صفائی اور نفس کی پاکیزگی پر ابھارتے ہیں اور دوسرے کو ذکر کی روشنی اور قلب کی صفائی سے اور ایک دوسرے کو مشاہدہ کی قدرت اور روح کی جلا سے۔ غرض ہر صورت میں یہ حالت صحیح اور نسبت درست ہے۔ لیکن وہ قول اور فعل جو اس کے پُر ہونے اور غلبہ پانے سے واقع ہوتا ہے صحیح نہیں ہے، نہ یہ مشروع ہے، اور نہ اس سے اقتدا اور اتباع ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر کہیں کہ جب قول و فعل نامشروع اور ناقابلِ اقتدا و اتباع ہیں تو وہ ہرگز طاعت اور ہدایت کے باب سے نہیں ہے بلکہ معصیت و ضلالت کے قبیل سے ہو گا: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ

اِلَّا الضَّلَالُ (یعنی: پس حق کے بعد کیا ہے سوائے گمراہی کے) یہ اعتقاد مشائخ رحمہم اللہ کا انکار و تنقیص ہو گا۔ اگرچہ مرتبہ میں فرقۂ اول کے انکار سے کم درجہ ہی سہی۔

غلبۂ حال قابلِ اعتبار نہیں

اس بات کا جواب یہ ہے کہ کسی حالت کے غلبہ کی صورت میں کسی بات کا صادر ہو جانا اس طریقے پر نہیں ہے جیسا کہ گناہ کرنا یا امر و نہی کی مخالفت کا قصد کرنا اور یہ طبیعت کے میلان، ہوائے نفس اور جہالت کے سبب اور ہوائے نفسانی کی خواہش سے نہیں کہ دلیل میں یہ بات اس کے کرنے والے کے تقویٰ، ورع، عزیمت کے حصول، علم و عمل کے اتباع اور کمالِ دیانتداری ۳۸ کی بنیاد پر یقین کے ساتھ معلوم ہو گئی ہے۔ بلکہ قہرِ نفس، قطعِ اسباب، غیروں سے تعلق کا ختم ہو جانا، محبت کا استیلا اور شوق کا غلبہ، کلیتہً صدقِ نیت اور قصد کے صحیح ہونے کی بنا پر ہے۔ اور یہ سب کا سب صحیح احوال اور درست مقاصد کا حاصل ہے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ صاحبِ حال جب اس پر تجلیاتِ حق اور فنا فی اللہ کا غلبہ ہو، غلباتِ حال اور سطواتِ وجد میں مجنون کا حکم رکھتا ہے کہ وہ شریعت کے کاموں کے لئے مکلف نہیں ہے۔ اور اسلئے ان امور کی نسبت صاحب حال کے ساتھ معصیت، قباحت اور نامشروع ہونے کی نہ رکھیں۔ ممکن ہے اہل باطن کے طریقے میں کہ جو صرف معنوں کے تابع ہیں گنجائش نکل آئے۔ لیکن چونکہ شریعت کا حکم عام ہے اور شریعت کے اصول افراد اور اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے بدلا نہیں کرتے۔ نیز کسی

Marfat.com

کی حالت کی خصوصیت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے بلکہ اس میں فعل کے حسن وقبح کا مدار شارع کے امر ونہی پر ہوتا ہے نہ کہ فاعل کے حال کے صدور واعتبار کی کیفیت پر۔ لہذا اس فعل کی ذات اور اس حرکت کی صورت عدم مشروعیت کی صفت سے موصوف ہوتی ہے، اور حکم کے دائرہ اور علم کے فتوی سے باہر پس حقیقت میں قبح اور انکار فعل کی ذات کی طرف راجع ہوتے ہیں فاعل کی طرف نہیں۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا کہ خود فعل کی بنیاد خطا اور معصیت پر ہوئی لیکن فاعل کو خطا وار اور گنہگار نہیں کہا گیا۔ علماء نے کہا ہے کہ حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا شجرہ کا کھانا معصیت تھا لیکن ان کو عاصی کہنا بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (یعنی آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس وہ راہ راست سے بھٹک گیا)۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ "وہ عاصی یا بھٹکے ہوئے تھے"۔ بلکہ جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کی ہے اس جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا (یعنی: پس اس نے فراموش کر دیا اور ہم نے اسے ارادہ میں مضبوط پایا)۔ حقیقت میں غلبہ اور حال بھی بھول چوک کا سبب ہوتا اور عزمِ صمیم کے وجود کو معدوم کر دیتا ہے۔ لہذا مشائخ کے ہفوات کے رفع اور انجام کا حکم بھی وہی ہے جو انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کی لغزشوں کا، لیکن
٣٩٥ معصوم ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ اُن کے مبہمات کو قرآن مجید کی متشابہات سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

Marfat.com

وصل ۱۰

مشائخ اور انبیاء کی لغزشوں کا فرق

یہ کہنا کہ مشائخ کی لغزش کا وہی حکم ہے جو انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کا محض تشبیہ اور تمثیل کی راہ سے اور ناقص کو کامل کے ساتھ ملانے کے سبب سے تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کو بھی حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کے احوال اور مقامات میں قرب کے لحاظ سے شریک نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ اس حکم سے کہ ولایت نبوت کا سایہ ہوتی ہے، جو کچھ اس شخص کی صفات سے ہے وہی بات سایہ میں بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن اس فرع کے ہوتے ہوئے اصل کے ساتھ اس کو کیسے رکھا جاسکتا ہے اور نہ تابع متبوع کے برابر ہوسکتا ہے۔ اولیاء کرام کو جو کمالات حاصل ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کی پیروی سے ہوتے ہیں چنانچہ مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے کہ مومنوں کی روحیں اولیاء اللہ کی روحوں سے روشنی حاصل کرتی ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی روحیں انبیاء علیہم السلام کی روحوں سے اور انبیاء علیہم السلام کی روحیں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس حق سبحانہ وتعالیٰ شانہ سے ــــ حضرت غوث الثقلین[1] قدس سرہ نے فرمایا

[1] حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی جن کو پیران پیر اور علی الاولیا بھی کہا جاتا ہے جیلان یا گیلان کے رہنے والے تھے ۱۰۷۷ء/۴۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم بغداد میں حاصل کی اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی اور خلقِ خدا کو فیض پہنچایا۔ آپ کی ذات گرامی اسقدر مشہور ہے کہ مزید کیا بیان ہو۔ آپ کا ۱۱۶۶ء/۵۶۱ھ میں وصال ہوا۔

کہ اولیاء اللہؒ کے ساتھ خبر کا تعلق ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کلام کا۔ انبیاء علیہم السلام پر وحی آتی ہے اور اولیاء کرام رح کو الہام ہوتا ہے۔ وحی کلام الٰہی ہے جس کے ساتھ اس کی روح بھی ہوتی ہے اسی کو روح الامین کہتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ (جیسے) خط پر مہر ثبت کی جاتی ہے اور اس لئے اس کی تصدیق واجب اور اس سے انکار کفر ہے۔ اور الہام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خبر ہے کہ اس کا قبول کرنے والا نور یقین اور سکینہ (آرام) سے ہے جو ولی کے پاک قلب میں پیدا کر دی گئی ہیں۔ پس کلام ظاہر اور باطن دونوں میں ہے اور خبر صرف باطن میں ہے۔ چنانچہ کلام کا انکار کفر اور ظاہر و باطن دونوں کی خرابی کا موجب ہے، اور خبر کا انکار صرف باطن کی خرابی کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے پناہ دے۔

کوئی ولی نبوت کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا

متکلمین اور محققین صوفیہ کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ کوئی بھی ولی، انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور یہ جو بات مشہور ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے" تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس بات کا مصدر کون ہے۔ اگر اس سے مراد ولی کی نبی پر فضیلت ہے تو یہ بات قطعاً مردود اور باطل، اور مذہب اہلِ حق کے صریحاً خلاف ہے اور اگر اس کا اشارہ کسی اور طرف اور تاویل کوئی دوسری ہے تو صحیح ہے اور اس سے حق کی مخالفت نہیں ہوتی۔

انبیاء علیہم السلام کی لغزش

ابھی تک ہم انبیاء علیہم السلام کی لغزش کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکے ہیں اور نہ اس کی

اس حقیقت تک پہنچے ہیں کہ وہ کیا ہے اور کہاں سے اس کا صدور ہوتا ہے اتنا مفہوم ہوتا ہے کہ "زلت" (لغزش) کے معنی چلتے وقت پاؤں کا پھسل جانا ہے۔ مثلاً کوئی شخص سیدھے راستہ پر چلا جا رہا ہے، اس کا مقصد بھی صحیح اور ارادہ بھی درست ہے۔ اتفاق سے کسی قسم کی غفلت یا احتیاط نہ برتنے سے اس کا پاؤں پھسل جاتا ہے اور وہ گر جاتا ہے یا نہیں بھی گرتا۔ بہر حال اس کو اہلِ لغت کے نزدیک زلّت کہا جائے گا۔ اسی سے معنوی لغزش کی کیفیت پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور اس کا تصور اور اندازہ ہو سکتا ہے لیکن حضرات انبیا علیہم السلام کی اس لغزش اور ان کی احتیاط کے زائل ہونے کا سبب اور اس کی طرف لے جانے والی چیز کیا ہے اور اس کا صدور کہاں سے ہوتا ہے جبکہ ان کے احوال ہماری عقلوں کے قیاس کے مرتبہ سے کہیں بلند ہیں اس کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس گروہ کے قواعد کے اعتبار سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ شیطان کا حصہ اور نفس کی تمام صفات اور طبیعت کی تاریکی ان سے یعنی انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے دور اس کی ذات میں معدوم ہے جیسا کہ شقِ صدر کا واقعہ اس پر دلیل ہے۔ تاہم احکامِ نفس اور جبلت کے جزئیات میں سے کچھ جو لطافت اور نورانیت کی صفت سے متصف ہو گئی ہیں قائم رکھی گئی ہیں تاکہ اس صفت کے اثر کا ظہور وحی کے نازل ہونے کا سبب اور شریعت کے احکام وضع کرنے کا ذریعہ اور اتباع کرنے کی سمجھ ثابت ہو۔ اِنَّمَا اُنَسّٰی لِاَسُنَّ (یعنی میں فراموش کیا جاتا ہوں (بھلا دیا جاتا ہوں) تاکہ دوسروں کے لئے سنت نہ ہو جائے) جیسا کہ عوارف المعارف میں ہے۔

Marfat.com

اور صاحبِ عوارف ہی سے حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کا یہ سوال بھی ص۴۱ دیا گیا ہے: رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (اے رب تو مجھے دکھا کہ کس طرح تو مردوں کو زندہ کرتا ہے) اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی یہ خواہش کہ: رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ (یعنی: اے رب تو میری طرف نظر کر) حال اور انبساط کے غلبہ کی وجہ سے ہے جو وہ بساطِ قرب میں رکھتے ہیں۔ اور کہا کہ اللہ عزوجل کے حضور میں یہ سوال کرنے کی مثال مقامِ قرب میں سوائے غلبۂ حال کے اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم انتہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوصلہ کی وسعت

اگر سرورِ انبیا سیدِ اصفیا اور عارفوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ہے کہ کوئی غلبہ یا کوئی خود فراموشی آپ کی ایسی نہیں جو آپ کے استقامت بارگاہ تک راہ نہ پائے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (نہ پھیری آنکھ دوسرے کی طرف اور نہ اللہ کی نافرمانی کی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے تو آپ ہرگز اس طرح سے سوال نہ کرتے اور اگر کرتے تو مقصود کی طرف اشارہ اسی عبارت میں کرتے کہ جو سراسر تواضع اور ادب ہوتا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ (یعنی: اے اللہ مجھے چیزوں کی اس حقیقت سے آگاہ کر دے جو نفس الامر میں ان کی حقیقت ہے)۔ اس سوال کا مضمون بھی اہل تحقیق کی نظر میں بعینہ وہی ہے جو "اَرِنِي" کا ہے اس لئے کہ تمام حقیقتوں کی حقیقت خود اللہ تعالیٰ کا وجود ہے بلکہ اس بات پر اس چیز کا اضافہ اور کیا جائے کہ ماہیت کے کنہ و حقیقت کا دیکھنا ایک طلب رکھتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ اے اللہ مجھے چیزوں کی وہ حقیقت

دکھا جو نفس الامر میں ان کی ہے۔ یہ حوصلہ کی وسعت اور استعداد اور قابلیت کے کمال کی راہ سے ہے۔ جو مخصوص ہے آپ کے جوہر شریف سے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کسی شخص کو بھی اس معاملہ میں بلکہ اس کے قریب تک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسری ممکن نہیں ہے ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پر تو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی

(یعنی: موسیٰ علیہ السلام تو صرف صفاتِ باری تعالیٰ کے ذرا سے عکس سے ہی بیہوش ہو گئے تھے۔ مگر آپؐ عین ذاتِ خداوندی کا مشاہدہ کرتے وقت بھی تبسم کناں رہے)

یہ وہ عجیب کلام ہے جو آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہا گیا۔ اس سے اعلیٰ اور اچھا کلام کسی نے نہیں کہا۔ اس کے کہنے والے پر اللہ کی رحمت ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کی جامعیت و وسعت

ذکر حقائق جمع کے صیغے کے ساتھ جیسا کہ آپ نے فرمایا حقائق الاشیا اور یہ نہیں فرمایا حقیقۃ الاشیاء۔ اس میں ادب کی رعایت رکھی گئی ہے اور بھید کو پوشیدہ رکھنا مقصود ہے۔ تاکہ بات چھپی ہوئی اور راز پردے میں رہے۔ یا اس سے زیادہ اشارہ ہے کثرت میں وحدت کی طرف، کہ یہ معرفت و شہود کے سب مکمل مراتب ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری عنایت دیکھئے کہ جو آپؐ نے اپنے
۴۲ متبعین اور امتیوں کے حق میں کی۔ آپؐ نے "ارنا" فرمایا۔ "ارنی" نہیں کہا کہ غربائے امت کو بھی اس میں سے کچھ نصیب ہو جائے۔ یہاں وہی معنی ظاہر ہوتے ہیں کہ قیامت کے دن دوسرے (انبیا علیہم السلام) نفسی نفسی کہیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی

امتی امتی فرمائیں گے۔ سبحان اللہ۔ خلائق کی عقلیں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے بارے میں حیران ہیں اور تمام انبیا علیہم السلام ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں حیران ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کمالات محدود اور معین ہیں اور یہاں تحدید اور تعین کی سمائی نہیں۔ اور خیال و قیاس کو آپ کے کمال کے سمجھنے کے سلسلہ میں قطعاً کوئی راہ نہیں۔

ایک حدیث کی تشریح

حضرت اصمعی[1] رحمۃ اللہ علیہ علمائے لغت میں سے ایک مشہور عالم ہیں۔ (ان سے) اس حدیث کے معنی لوگوں نے دریافت کئے: اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً وفی روایۃٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے دل پر تیرگی کا کچھ اثر ہوتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے ستر بار اور ایک روایت میں ہے سو بار مغفرت چاہتا ہوں) لوگوں نے دریافت کیا کہ اس غین (تیرگی) کی کیا حقیقت و اصلیت ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ انھوں (اصمعیؒ) نے کہا، اِنْ سَأَلْتَ عَنْ قَلْبِ غَیْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَقُلْتُہٗ (یعنی: اے سائل اگر تو دوسرے قلب سے متعلق اور صوبیہ کائنات و فخر موجوداتؐ کے قلب کے علاوہ دوسرے

---

[1] ابو سعید عبد الملک بن قریب اصمعیؒ کی ولادت ۱۲۲ھ میں بمقام بصرہ ہوئی۔ ان کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کوئی چیز سرسری طور پر دیکھ لیتے یا سن لیتے تو وہ ہمیشہ کے لئے ذہن نشین ہو جاتی تھی۔ ماہر لسانیات تھے۔ قدیم عربی شاعری اور بدوی عربوں کی زبان پر بڑا عبور تھا۔ عباسی خلیفہ امین الرشید کے اتالیق رہے۔ بعد میں مامون الرشید کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ ۲۱۳ھ ۸۲۸ء میں بصرہ میں انتقال ہوا۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

Marfat.com

غین (تیرگی) کے متعلق پوچھتا ہے تو اس غین (تیرگی) کے متعلق جو کچھ میں جانتا ہوں وہ بتائے دیتا ہوں۔ لیکن یہاں کہ غین (تیرگی) ہی عین (آنکھ کا پردہ) ہے تو میں اس غین کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عجز و اعتراف اور جہل و نادانی اس کا عین و معرفت ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ لَا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) آدھا علم ہے۔ دوسری جگہ اگر اس کو نصف علم سے تعبیر کیا جائے تو یہاں وہ تمام علم متصور ہوگا۔ نصف علم تو وہاں ہوتا ہے کہ جہاں ادراک ممکن ہو، اور علم اس تک نہیں پہنچتا۔ لیکن جہل کا اعتراف اور طریقۂ انصاف کا سلوک ایک دوسرا ہی علم ہے، مگر یہاں ادراک ممکن اور متوقع نہیں ہے۔ علم سوائے جہل اور نارسائی کے اعتراف کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں علم کا دعویٰ ہی جہل ہے اور علم کا دریافت ہو جانا عین علم ہے۔ اگرچہ علمائے حدیث نے علم کی قدر اور اپنی دانش و معرفت کے اندازے کے بارے میں کچھ باتیں کہی ہیں، اور قیاس اور اندازہ کے دھاگے میں معنی کے موتی پروئے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ اس کام کا بھید غیرون کی آنکھوں سے پوشیدہ اور اس حال کی حقیقت عقل کی آنکھ سے نظر نہیں آسکتی۔ ص ۴۳

اسی حدیث کی دوسری تشریحات

بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ غین پردۂ رقیق لطیف ہے کہ بشریت کے حکم میں کثرت کے خلط ملط ہو جانے اور دین اور ملت کے مشکل کاموں کے انجام دینے کے سبب بہت تھوڑے وقفہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدۂ شہود پر سستی اور غفلت چھا جاتی تھی۔ اور اسی لمحہ میں اسرار میں

Marfat.com

مستغرق ہونے کے سبب نور وحدت کے ذکر و ظہور میں ایک طرح کی کمزوری پیدا ہو جاتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت کے عارض ہونے اور سستی ظاہر ہونے پر استغفار کیا کرتے تھے کیونکہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (جو باتیں ابرار کے حسنات ہیں وہ مقربان بارگاہ الٰہی کے لئے سیئات میں داخل سمجھی جائیں گی)۔ اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ غین کا یہ پردہ امت کے غم اور ان کی عاقبت کے خوف کی وجہ سے تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استغفار بھی امت کے لئے اور ان کی بخشش ہی کے لئے ہے۔ اس بات کے کہنے والے پر اللہ کی رحمت ہو۔ بعض صوفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ انوار کی غین ہے اغیار کی غین نہیں۔ اس پردہ میں جو چیز آدمی کو نظر آتی ہے اگر وہ تمام عارفوں پر مکشوف ہو جائے تو ان میں اس کے برداشت کی طاقت نہ رہے اور وہ طرح طرح کی مستی کرنے لگیں۔ اور وہ یہ شور مچانا شروع کر دیں کہ میں حقیقت کو بے پردہ دیکھ رہا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے کتنا تقرب تھا

ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں میرے درجات تقرب بے انتہا بڑھے ہوئے ہیں کہ اس سے زیادہ ہرگز کسی دوسرے کے نہیں ہو سکتے، اور وہ یہ ہے کہ میرے اور پروردگار کے درمیان نور کے ستر ہزار پردے حائل ہیں۔ پس جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر لمحہ اور ہر آن نور جلال میں سے ایک پردہ مشہود رہتا تھا، اور اس سے اوپر کے نور کی تجلی سے وہ پردہ الگ ہو جاتا تھا

Marfat.com

اور مقامِ اول میں توقف سے مقامِ ثانی کے انکشاف کے بعد آپ استغفار کرتے تھے۔ یہ چیز درجاتِ قرب اور مشاہدۂ تجلیات میں عین ترقی ہے۔ اور یہ حالت اس زندگی تک ہی نہیں ہے بلکہ ابد الآباد تک یہ حال اسی طریقہ پر رہے گا ص۴۲
اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی کوئی حد نہیں ہے۔ پس یہاں غین عین مشاہدہ ہے اور پردہ نشستن (پردہ میں بیٹھنا) پردہ برداشتن (پردہ اٹھانا) کے معنوں میں آتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ (یعنی: تحقیق کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نور کے ستر ہزار پردے ہیں) (اسی کے متعلق) ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس سے مراد کثرت اور تعبیر و تاویل ہے، حصر اور تحدید نہیں۔ مگر یہ کہ اس مقامِ قرب سے جبرئیل علیہ السلام نہ گذر سکے۔ اور اس حکم کے بموجب کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کا مقام متعین نہ ہو، اس نے اس حد سے آگے ترقی اور تجاوز نہیں کیا ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم　　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

(یعنی: اگر میں بال برابر بھی آگے کی طرف پرواز کروں (یعنی آگے کی طرف بڑھوں) تو تجلی الٰہی کی زیادتی سے میرے پر جل جائیں۔)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمیشہ ترقی پر ترقی ہے اور حق کی تجلیات کے رنگ میں آپؐ کے مشاہدات کی ازل سے ابد تک کوئی انتہا نہیں ہے۔

شارحینِ حدیث کی توجیہات

بعض شارحینِ حدیث نے اس غین کی کیفیت کے بیان میں دو وجہیں بتائی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس غین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمِ بصیرت پر پیدا ہو جانا

Marfat.com

آنکھ پر پلک کے انطباق کے مانند ہے جس طرح کہ آنکھوں پر پلکوں کا جمع ہو جانا اگرچہ ظاہر میں نقصان کی صورت پیدا کرتا ہے اور دیکھنے سے مانع ہوتا ہے کہ باصرہ کا کمال یہی ہے کہ دیکھے۔ لیکن وہ آنکھ کی سیاہی کی تکمیل و تفصیل کا موجب اور گرد و غبار اور دھوئیں اور ان سب چیزوں سے جو اس کو ضرر پہنچائیں اس کا محافظ بھی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی آنکھ غیر انفاس کے دھوئیں کے ذرات اور کثرت و آثار کے غبار کے ہیجان سے کدورت نہیں پاتی اور آپ کی بصیرت کا آئینہ زنگ آلود نہیں ہوتا چنانچہ اس غین کا وارد ہونا اور اس پردہ کا ہٹنا اس غبار اور کدورت سے اس کی نگہداشت کرنے کا موجب اور اس کی حفاظت اور صفائی کا سبب ہے پس اگرچہ وہم کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ نقصان کی شکل اختیار کر لیتا ہے لیکن حقیقت میں کمال کے تکملہ و تتمہ کے ساتھ مل کر خود کمال بن جاتا ہے۔ اور
اس کے باوجود بھی آپ استغفار فرماتے اور کمال محبت اور دیدار کے شوق ص۵۴
میں معذرت خواہ ہوتے تھے تاکہ چشم زدن کیلئے بھی جمال محبوب نظر سے نہ ہٹے۔

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشم — شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشم

(یعنی: ایک پلک جھپکنے کے وقفہ کے لئے بھی میں اس (محبوب) چاند سے غافل نہیں رہتا شاید کہ کہیں محبوب میری طرف دیکھے اور مجھے پتہ بھی نہ چلے)

دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس ہمیشہ ترقی کے مقام پر اور رفیق اعلیٰ تک پہنچنے کے شوق میں اور ملکوت سے کہ ان کی اصل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے ملنے کے اشتیاق میں رہتی تھی۔

Marfat.com

اور چونکہ قلب، روح کا تابع ہے اور نفس، قلب کا تابع ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ روح کی حرکت اور قلب کا اٹھان زیادہ تیز اور مکمل ہیں نفس کی حرکت سے، پس ناچار نفس اوپر اٹھنے اور مقام قرب اور حریم عزت میں داخل ہونے کے وقت روح اور قلب کی مصاحبت اور رفاقت سے جدا ہو جانا اور تعلق کے ٹوٹنے کا موجب ہوتا تھا کہ وہ ہفت عنصری کی بقا کا سبب ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور اس کی غیر محدود رحمت اور مہربانی جو خلق کی تکمیل اور ہدایت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عنصر شریف کی بقا کی متقاضی ہوتی تھی اس غین کے ورود اور اس پردے کے ہٹنے کو آپؐ کے قلب شریف کی حرکت میں دیر کر دیتی تھی تاکہ وہ کلیۃً روح کی جانب نہ چلا جائے اور عالم قدس کے ساتھ ملحق نہ ہو جائے۔ اور دنیا کا علاقہ ٹوٹ نہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال شوق اور اس عالم کے جذب و کشش کے سبب اور قلب کی حرکت کے سست پڑ جانے کی وجہ سے اس حکمت اور مصلحت کو سمجھنے اور قبول کرنے کے باوجود امت کی تکمیل اور ہدایت کی حرص میں استغفار فرماتے اور معذرت خواہ ہوتے۔

یہ دو وجوہ شیخ الوقت شہاب الدین[1] سہروردی قدس سرہ کے افادات اور کلمات میں سے ہیں اور طیبیؒ نے اس کو شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے۔

---

[1] ابو حفص عمر بن محمد بن عبداللہ البکری معروف بہ شیخ شہاب الدین سہروردی سلسلۂ سہروردیہ کے سرخیل ہیں ۵۳۹ھ / ۱۱۴۴ء میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء میں وہیں وصال ہوا۔ فقہ اور دیگر علوم میں متبحر تھے۔ علم باطنی اپنے چچا شیخ ابو النجیب سہروردی سے حاصل کیا۔ نہایت متقی اور متبع سنت تھے۔ آپ کی تصنیف عوارف المعارف تصوف کی امہات الکتب میں شمار کی جاتی ہے۔

Marfat.com

...معی کی تشریح سب سے زیادہ مناسب ہے

اگرچہ پہلی وجہ کی نزاکت اور دوسری صفحہ ۴۶ وجہ کی نفاست سے انکار نہیں کیا
...سکتا اس کے باوجود مجھے حضرت اصمعیؒ کی بات سب سے زیادہ بھلی لگی ہے۔ اور
...ب مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اور اس کے ادب سے کہ جس کی حقیقت
...سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ ہر شخص
...جو کچھ بھی کہتا ہے اپنی معرفت اور قیاس کے اندازہ اور حد کے مطابق کہتا ہے
...ونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند ہے لہذا جو کوئی آپ کے مقام
...کے بارے میں کچھ بات بناتا ہے اور آپ کی اس حقیقتِ حال کو جو خدا کے
...ساتھ ہے کھولتا ہے۔ گویا وہ متشابہات کی تاویل کرتا ہے۔ بیچارہ اصمعیؒ باوجود
...اس کے کہ لفظ میں گرفتار ہے عجیب و غریب مفہوم و معانی کی طرف گیا ہے لیکن

صحبتِ نبویؐ اور زمانِ نبوت کا اثر

یہ فہم اس کو لغتِ عرب کی جو خود سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت
ہے پیروی کی برکت سے حاصل ہوئی تھی اور اس زمین کی آب و ہوا نے تاثیر کی
تھی۔ اس نور کی اصل و حقیقت زمانِ نبوتؐ کے قرب کی تاثیر ہے چنانچہ امام علی
حکیم ترمذیؒ[1] کا کہنا ہے کہ "میں جوانی میں جو کچھ انوار و آثار پاتا تھا وہ بڑھاپے کے
وقت علم و عمل اور مجاہدہ کی زیادتی کے باوجود نہ پا سکا۔ اور اس کی وجہ سے

---

[1] شیخ محمد بن علی حکیم ترمذیؒ طریقہ حکیمیہ کے سرخیل ہیں آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ متقدمین اکابر مشائخ میں آپ کا شمار رہا ہے۔ امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت ابو حنیفہؒ کے احباب میں تھے۔ سفینۃ الاولیاء میں آپ کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانِ رسالتؐ سے جتنا زیادہ بعد ہوتا جاتا ہے اتنا ہی علم و عمل میں ضعف ہوتا جاتا ہے آپ کی وفات ۲۵۵ھ ۸۶۹ء میں ہوئی۔

Marfat.com

سمجھنے میں حیران و پریشان تھا۔ آخر میری سمجھ میں آیا کہ جوانی کی حالت کا کمال حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قربت کی وجہ سے تھا۔ جب زمانہ کے قرب کی یہ خاصیت ہے تو عین اس زمانہ کا کیا اثر ہوگا۔ (کیونکہ اس وقت) اس حقیقت کے جمال سے پردہ ہٹا ہوا تھا اور آفتابِ یقین سمت الراس پر پہنچا ہوا تھا۔ اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کی فضیلت ہر اس شخص پر لازم آتی ہے جو اُن کے بعد آیا۔ اور اسی لئے قوت القلوب میں تحریر ہے کہ ایک نظر میں جو جمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑتی تھی اور ایک ساعت کی نشست میں جو آپؐ کے حضور میں ہوتی تھی وہ بات ظاہر ہوتی اور کام بنتے تھے کہ دوسرا اس کو بہت سی تنہائیوں میں رہ کر اور متعدد چلے کھینچ کر بھی نہیں ظاہر کر سکتا یا بتا سکتا اور باوجود ان چند آیتوں اور حدیثوں کے جو امت کے ان غربا اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خاص تبعین کی فضیلت کے بارے میں آئی ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد ہوں گے۔ ان کے بارے میں گمان یہ ہے کہ مقصود یہی لوگ ہیں۔ ص۲۷

حضورؐ کا فیض اولیاء کیلئے خاص اور تمام امت کے لئے عام ہے

اولیائے امت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی صحبت دائمی ہے، اور حصولِ انوار اور فیض آثار مستقل اور باقی رہنے والے ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب توجہ کرنے والے تمام لوگوں کو اور اس کوچہ کے بھکاریوں کو اس نور میں سے حصہ ملے گا بلکہ تمام موجودات اور کل مخلوقات کو آپؐ کے وجود اور رحمتِ عام کے

...نصیب ہیں۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۔ (اور ہم نے تجھ کو ...عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے) اور اگر وہ لوگ رحمت کی قدر نہ سمجھیں ...کفرانِ نعمت کرتے رہیں تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہو سکتا ہے ؎

...فیضِ تو چمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردۂ تست

...: اے ابر بہار! چمن تیرے فیض و کرم کا اس لئے شکر گذار ہے کہ اس کے کانٹے اور پھل سب ...ے ہی پالے ہوئے ہیں)

نا امید نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ حقیقتِ محمدیؐ کے بھی اسی طرح ادوار ہیں ...س طرح آسمان کے دورے ہیں۔ جب تک دورہ ہوا نسبت کس کے ساتھ ...ئم کی جائے۔ اور ایک ستارہ کی نظر آپؐ کے صفات اور کمالات کے ...کب ہیں سے کس پر پڑے اور کس کے چہرے پر چمکے۔ جب تک کہ آپؐ کے ...ل کی پیشانی سے کمال کا نور ظاہر ہو اور عزتِ اسلام کے معنی آپؐ کی ...ت ہیں پیدا ہوں۔ غالباً یہ دورہ ایک سو سال ہیں ہوتا ہے: يُبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ أَمْرَ دِيْنِهَا

...صدی ہیں ایک مجدد پیدا ہوتا ہے

...س امتِ محمدیہ کے لئے ہر سو سال ہیں کوئی ایک شخص ایسا پیدا کیا جاتا ہے جو اس ...ت کو دین پر چلنے کا حکم دیتا ہے)۔ اب یہ گیارہویں صدی ہجری ...ے دیکھیئے اس دولت کا سکہ کس کے نام رہتا ہے۔ وہ ایسا آدمی ہونا چاہیئے کہ ...حقیقت کا اعجاز اس کے ہاتھ پر ہو تا کہ اس زمانے کے عام انسانوں کو کہ جو حقیقت ...و لہو و لعب سمجھنے لگے ہیں اور جنھوں نے اپنی جہد و سعی ہیں ہزل کی آمیزش کر لی ہے

اعجاز اور قوت کے زور سے ایسا متاثر کیا جائے کہ ان کو دم مارنا ممکن نہ رہے
حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْہِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْہِمْ اَنْفُ
وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ ثُمَّ تَابَ عَلَیْہِمْ لِیَتُوْبُوْا (یع
یہانتک کہ تنگ ہو جائے ان پر زمین باوجود اپنی وسعت اور کشادگی کے اور تنگ ہو
ان پر خود ان کی ذات اور وہ جان جائیں کہ کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے سوائے اللہ
کی ذات کے۔ پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہو)

۴۸ محتاج شست وشوی دگر شد کجاست ... عشق رُوئے زمین ز تیرگی منکران عشق

(یعنی: منکرانِ عشق کی تیرگی سے تمام روئے زمین دوبارہ شست دشو کی محتاج ہو
اب نوح علیہ السلام کہاں ہیں جن کی دعا سے طوفان آئے اور سطح زمین سے اس تیرگی کو دھو ڈالے) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

وصل ۱۱

مشائخ کی لغزش حال اور سکر کے غلبہ کے سبب سے

پھر میں کہاں گرا اور کہاں سر اٹھایا (یعنی میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا) بات یہاں سے چلی تھی کہ مشائخ کی لغزش کی وجہ حال اور سکر کا غلبہ ہے، اور وہ حال صحیح اور نسبت درست ہے، لیکن وہ قول و فعل جو حال کے غلبہ سے نمودار اور صادر ہو، اقتدا کا محل اور اتباع کے قابل نہیں مشائخ اس کے صدور میں معذور ہیں، اور ایسے ہی ہیں کہ گویا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ کچھ مثالیں اقوال و افعال سے بطور کلیہ اور اجمال ذکر کر دی گئی ہیں اب اگر ان میں سے بعض جزئیات تفصیل سے ذکر کریں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اقوال میں تعرض (اعتراض) کرنے کے لئے وقت میں گنجائش نہیں

وہ فنا اور توحید کے اشاروں کے باب میں ہے۔ لہذا اس میں قیل وقال مناسب نہیں ہے۔ افعال کی جنس سے کچھ حکایتیں مذکور کی جاتی ہیں شاید اس سے مقصد حاصل ہو جائے۔

شیخ شبلیؒ کا ایک واقعہ

مثلاً کہا جاتا ہے کہ حضرت شبلی[1] قدس سرہ کا بیٹا فوت ہو گیا (جس کے صدمہ کی تاب نہ لا کر) لڑکے کی ماں نے کمزوری کا اظہار کیا اور بہت رونا اور چلانا شروع کیا اور اپنے سر کے بال نوچ ڈالے۔ اور شیخ شبلیؒ نے بھی اپنی ڈاڑھی مونڈ ڈالی اور بیٹھ گئے۔ اہلِ بغداد ان کی خدمت میں (تعزیت کے لئے) آئے لیکن اُن کی اس حرکت (ڈاڑھی مونڈی ہوئی) سے بہت بیزار ہوئے اور کسی شخص نے بھی ان کے بیٹے کی تعزیت ان سے نہ کی۔ آخر شیخ شبلیؒ کے دوستوں میں سے ایک نے دریافت کر ہی لیا کہ آخر یہ کیا حرکت تھی جو تم نے کی، اور یہ کہ ایسی حرکت کس لئے کی؟ انھوں نے جواب دیا "اپنی گھر والی کی موافقت میں"۔ لوگوں نے کہا "حقیقت حال بیان کیجئے، اس جواب سے ہماری تسلی نہیں ہوئی۔ اہل وعیال کی تقلید میں تو ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیئے"۔ شبلی نے کہا "اگر تم لوگ صحیح بات پوچھتے ہو تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مجھے یہ بات معلوم ہے کہ جو کوئی دوسرے کو حق بات کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور خود غافل رہتا ہے وہ لعنت کا سزاوار اور خدائے تعالیٰ سے

[1] آپ کا نام جعفر اور کنیت ابو بکر تھی۔ خراسان کے قصبہ شبلہ کے رہنے والے تھے اس لئے شبلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مالکی فقہ کے متبع اور حضرت جنید بغدادی سے مرید تھے۔ سکر کا غلبہ تھا اور ہمیشہ ذکر اسم ذات (اللہ۔ اللہ) کیا کرتے تھے۔ ۲۴۷ھ ۸۶۱ء میں ولادت اور ۲۷ ذی الحجہ ۳۳۴ھ ۹۴۶ء میں انتقال ہوا۔ مزار بغداد میں ہے۔

دوری کا مستحق ہو جاتا ہے اور رحمتِ حق کی نظر سے گر جاتا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا
۴۹ کہ لوگ میرے پاس تعزیت کے لئے آئیں، دستور اور عادت کے مطابق باتیں
بنا کر اِنَّا لِلّٰہِ کہیں اور نصیحت کریں۔ لیکن ان کے دل حق تعالیٰ سے غافل اور
محجوب ہو جائیں اور اس طرح وہ لعنت ملامت کے مستحق ہوں۔ اور میں اس
سب معاملہ کا سبب بنوں۔ پس میں نے اپنی ڈاڑھی قربان کی اور اس طرح خلقِ خدا
کو ہلاکت اور نقصان کے بھنور سے بچا لیا۔"

اب دیکھئے کہ اس میں کیسی سچی نیت اور گہری نظر ہے، ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کسقدر تعظیم اور حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی کتنی عظمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ان کی کسقدر شفقت و رحمت ہے۔ اور یہ سب کچھ سینہ کے احوال اور بلند مقامات کا کرشمہ ہے۔ لیکن اس فعل کا صدور کہ اس نیت سے ڈاڑھی مونڈی جائے شریعت میں جائز نہیں ہوگی اور کسی ذی فہم سے اس قسم کا کام سرزد نہیں ہوتا۔ دیکھئے کہ علم و عمل، تقوی اور ریاضت کی رو سے ان کا درجہ کتنا بلند ہے اور اس نیت اور غلبہ اور اس حال کے باوجود اُن سے یہ فعل صادر ہوا تو کتنی شدت کے ساتھ غلبہ وبے اختیاری اور مستی نے زور مارا ہوگا۔ مگر اصل میں قاعدہ یہ ہے کہ نیت مباحات اور مستحبات میں چلتی ہے نہ کہ حرام اور مکروہ باتوں میں۔ یہ مقام وہ ہے جہاں ان کی اس حالت و کیفیت پر مجنونوں کا حکم لگایا جائے گا۔ واللہ اعلم

شبلیؒ کے سکر کی کیفیت

شیخ شبلی قدس سرہ اہلِ وجد کے امام اور اربابِ سکر و حال کے سرخیل تھے۔ ان کے برابر کسی دوسرے کو

Marfat.com

دنیا اس میں بھی نہیں لا سکتے۔ حال کے غلبہ میں اپنے آپ سے اس حد تک بے خبر اور
مستغرق و غائب ہو جاتے تھے کہ کہا جاتا ہے کہ بھوؤں اور پلکوں کے بالوں تک
کو نوچ ڈالتے تھے۔ بعض اوقات اپنے گوشت اور اپنی کھال تک کو زنبور سے
پکڑ لیتے تاکہ محض تکلیف کی بنا پر تھوڑی دیر کے لئے ہوش میں آجائیں اور ان کو
اس بیہوشی اور سکر سے نجات مل جائے۔ ان کے زمانے کے لوگ ان کو دیوانہ کہتے
اور مجنوں سمجھتے تھے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے عقلا میں سے تھے ؎
کیونکہ: اَکْیَسُ النَّاسِ اَزْهَدُهُمْ فِی الدُّنْیَا (یعنی: سب سے زیادہ عقلمند وہ شخص
ہے جو کہ دنیا کی طرف سے سب سے زیادہ بے رغبت ہو) سچی بات یہ ہے کہ اس دیوانگی
پر لاکھوں عقلیں قربان ؎

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی | دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

(یعنی: تو نے دیوانہ کر کے دونوں جہان بخش دیئے (لیکن) تیرے دیوانے کو دونوں جہان سے لینا ہی کیا ہے)

شبلیؒ کی تعظیم کا ایک واقعہ

روایت ہے کہ ایک روز وہ (شبلی قدس سرہ)
حضرت ابو بکر مجاہدؒ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس (جو
اپنے دور کے بڑے عالموں میں تھے) گئے۔ ابو بکر مجاہدؒ کی نظر جیسے ہی اُن پر
پڑی کھڑے ہو گئے اور اُن (شبلیؒ) کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پوری تعظیم کے
ساتھ اپنے پہلو میں بٹھایا۔ فقہا کی وہ جماعت جو ابو بکرؒ کے پاس موجود تھی

؎ احمد بن موسیٰ بن العباس التیمی البغدادی، المعروف بہ ابو بکر بن مجاہدؒ۔ آپ کا شمار اس زمانہ کے مشہور قرا میں ہوتا تھا۔ خلق و ادب میں بے مثل اور جود و سخا میں لاثانی تھے۔ ولادت ۲۴۵ھ / ۸۵۹ء اور انتقال ۳۲۴ھ / ۹۳۶ء بغداد میں ہوا۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں القراٰۃ الکبیر، کتاب القرات، القراءۃ السبعۃ، قراءۃ علیؓ بن ابی طالب وغیرہ، زیادہ مشہور ہیں۔

کہنے لگی "تم شبلیؒ کے ساتھ ایسا عمل کرتے ہو، حالانکہ تم خود اور تمام بغداد
ان کو مجنوں سمجھتے ہیں۔" ابوبکرؒ نے کہا "یہ فعل میں نے ہی نہیں کیا بلکہ جب
کچھ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ویسا ہی کیا ہے۔ چنا
آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ شبلیؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و
کے حضور میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے ہی کھڑے
ہوگئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ میں نے دریافت
کیا "یارسول اللہ یہ باتیں جو آپ شبلیؒ کے ساتھ کرتے ہیں، وہ کس بنا پر ا
اکرام اور تعظیم کے مستحق ہیں؟" آپ نے فرمایا "وہ ہر نماز کے بعد یہ آیت پڑھ
لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (یعنی: تحقیق کہ تمہارے پاس تمہارے ہی قبیل
اور گروہ میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہاری ہر تکلیف گراں گذرتی ہے وہ تمہا
ہدایت پر حریص ہے اور مؤمنین سے محبت کرنے والا ہے اور اُن پر مہربان ہے۔
اور اس کے بعد درود بھیجتا ہے۔

شبلیؒ کا ایک اور واقعہ

شیخ شبلی قدس سرہ ہی سے (متعلق) ایک یہ بھی
روایت ہے کہ ایک دن ان کے دل میں یہ بات
ڈالی گئی کہ "تو بخیل ہے۔" (اسلئے) انھوں نے عہد کیا کہ جو کچھ آج فتوح سے
حاصل ہوگا اسے اُس پہلے فقیر کو دیدوں گا جو سامنے آئے گا۔ (چنانچہ اس دن
پچاس دینار اُن کو ملے، انھوں نے وہ دینار لئے اور باہر آئے۔ گذرگاہ پر اُن
ایک ایسا فقیر ملا جس کی بینائی جاتی رہی تھی اور وہ ایک حجام کے پاس ۵۱

بیٹھا ہوا سر منڈوا رہا تھا۔ شبلیؒ نے (دیناروں کی) وہ تھیلی اس کو دی تو اس نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، اس حجام کو دیدو جو خدمت کرتا ہے۔" شبلیؒ نے کہا "اس تھیلی میں دینار ہیں۔" اس نے شبلیؒ کی طرف منھ کر کے کہا "ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم بخیل ہو۔" پس شبلیؒ نے دینار اس حجام کے سامنے رکھدیئے۔ حجام کہنے لگا۔ "ہمارا یہ عہد ہے کہ فقیروں کی خدمت اجرت لے کر نہیں کریں گے۔" پس شبلیؒ نے وہ تھیلی اٹھائی اور لے جاکر دریائے دجلہ میں ڈال دی اور کہا "جس شخص نے تجھے عزت دی اللہ تعالیٰ نے اسکو ذلیل کیا۔"

اس موقعہ پر علمائے ظاہر کہتے ہیں کہ "انھوں نے اسراف کیا کہ تھیلی کو دریا میں ڈال دیا۔" لیکن یہاں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا اس کی تحریک کہاں سے ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

شبلیؒ کا ایک تیسرا واقعہ

ایک مرتبہ شبلی قدس سرہٗ نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ لوگوں نے ان کے کپڑے کا دامن چاک کر کے کہا کہ "علم اس بات کا حکم دیتا ہے کہ نئے کپڑے کے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور اس کو ضائع کر دیا جائے۔" شبلیؒ نے کہا "علم اس بات کا حکم دیتا ہے کہ گھوڑوں کے ٹخنے کی رگیں کاٹ دو اور ان کو ذبح کرو" (اس بات میں) حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے قصہ کی طرف اشارہ تھا کہ انھوں نے گھوڑوں کی پیشانی کے بال پکڑ رکھے تھے اتنے میں سورج غروب ہونے کے قریب ہوا اور عصر کی نماز کا وقت گذر گیا۔ پس اس جرم کی مکافات میں اور توبہ کے ارادہ سے انھوں نے گھوڑوں کے ٹخنہ کی رگیں کاٹیں اور ان کی گردن ماری چنانچہ

Marfat.com

قرآن شریف میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا: فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ (یعنی: پس شروع کیا ہاتھ پہنچانا اس کی پنڈلی تک اور گردن تک) یعنی خدائے تعالیٰ کے ذکر کی غیرت کے سبب اس کو ذبح کر دیا اور اس کی پنڈلی کاٹ دی۔ بعض لوگوں نے مسح سوق اور اعناق کو ظاہر پر محمول کیا ہے یعنی گھوڑوں کی پنڈلی اور گردن پر ہاتھ پھیرا اور ان کو آزاد کر دیا۔

ارباب احوال کے نزدیک ان حکایات کی حیثیت

اکثر ارباب احوال نے ان حکایتوں کو جو مثال کے طور پر نقل کیا ہے اس کا مقصد نفس کی ریاضت، اس پر سختی برتنے، مشقت میں ڈالنے اور مقام توحید و توکل کی تحقیق اور وسائط و اسباب سے قطع نظر کرنے کے لئے ہے۔ ص ۵۲

ابو حمزہ خراسانی کا واقعہ

امام عبداللہ یافعی[1] رحمۃ اللہ علیہ، ابو حمزہ خراسانی[2] قدس سرہ کے محاسن بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں حج کے لئے گیا۔ راستہ میں (ایک کنواں) تھا

---

[1] امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ یمن کے رہنے والے تھے۔ کنیت ابو السعادات اور لقب عفیف الدین تھا۔ شافعی فقہ کے پیرو اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے بے حد عقیدت تھی۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں تاریخ یافعی، تکملہ روضۃ الریاضین اور نشر المحاسن مشہور ہیں۔ ان کتابوں میں آپ نے خصوصیت سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے حالات اور خوارقِ عادت کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی وفات ۲۱ رجمادی الاولیٰ سنہ ۷۶۸ھ (۱۲ اپریل ۱۳۵۹ء) یکشنبہ کے دن ہوئی۔ مکہ معظمہ میں حضرت فضیل بن عیاض کے مزار کے متصل جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔

[2] حضرت شیخ ابو حمزہ خراسانی قدس سرہ نیشاپور کے رہنے والے اور مشائخ کبار میں سے تھے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

(میں اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا) کہ یکایک اس کنوئیں میں گر پڑا۔ اب میرے نفس میں اور مجھ میں جنگ شروع ہو گئی (نفس کا کہنا تھا) کہ "فریاد کر تا کہ کوئی سنے اور تجھے کنوئیں سے باہر نکالے۔" میں نے کہا "خدا کی قسم میں ہرگز فریاد نہیں کرونگا اور سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی سے مدد نہیں چاہوں گا اور جب تک حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پردۂ غیب سے غیر فطری اسباب نہیں پیدا کرے گا باہر نہیں نکلوں گا۔" (ابھی میں اپنے نفس سے انہی باتوں میں مشغول تھا) کہ یکایک دو آدمی کنوئیں کی منڈیر پر آئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ "یہ کنواں بالکل سرِ راہ واقع ہے ہم اس کو بالکل پاٹ دیں تاکہ اس میں کوئی گرے نہیں۔" چنانچہ انھوں نے کنوئیں کے منھ کو بند کر دیا اور اس کا نشان ہی مٹا ڈالا۔ اس دوران میں کہ وہ کنوئیں کا منھ بند کر رہے تھے میرا ارادہ ہوا کہ شور کروں اور اُن کنوئیں کے بند کرنے والوں کو اپنے حال سے آگاہ کر دوں۔ پھر میں نے اپنے جی میں کہا کہ "جو میں نے اپنے پروردگار کے ساتھ عہد کیا ہے اسے ہرگز نہیں توڑوں گا۔" چنانچہ میں نے صبر کیا۔ اس کے بعد (ابھی تھوڑا ہی وقت گذرا تھا) کہ ایک اور جماعت آئی اور ان لوگوں نے کنوئیں کا منھ کھول دیا۔ اس مرتبہ بھی میں نے چاہا کہ "فریاد کروں" لیکن میں نے پھر بھی کہا "میرا

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) حضرت جنیدؒ بغدادی کے معاصر اور حضرت شیخ ابو سعید خرازؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ کا توکل بہت بڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ کنوئیں کا واقعہ جو حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے آپ کے توکل کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس واقعہ کا ذکر حضرت شیخ علی ہجویریؒ (داتا گنج بخش) نے اپنی مشہور آفاق تصنیف کشف المحجوب میں بھی کیا ہے۔ آپ کی وفات ۲۹۲ھ/۹۰۵ء میں ہوئی۔

Marfat.com

پروردگار بمقابلہ ان لوگوں کے مجھ سے زیادہ قریب ہے۔ اگر میں اس کے علم پر اکتفا کروں تو تھوڑی دیر اور خاموش رہوں۔ (اتنے میں) ناگاہ ایک شیر ظاہر ہوا اور اس نے اپنا پاؤں کنوئیں میں لٹکایا گویا وہ مجھے اشارہ کر رہا تھا کہ میں اس کے پاؤں میں لٹک جاؤں۔ چونکہ اس طرح شیر کا آنا قطعاً غیر فطری امر تھا اس لئے میں نے خیال کیا کہ یہ منجانب اللہ ہے۔ چنانچہ میں نے اس کا پاؤں پکڑ لیا اور باہر نکل آیا۔ تو ہاتف نے ندا دی، یَا اَبَا حَمْزَۃَ اَلَیْسَ ھٰذَا اَحْسَنَ نَجَّیْنَاکَ مِنَ التَّلَفِ بِالتَّلَفِ (یعنی: اے ابو حمزہ کیا یہ (امر) بہترین نہیں ہے کہ ہم نے تجھے ہلاکت سے ہلاکت کے ذریعے رہائی دی) (یعنی شیر کے ذریعہ جو خود انسان کو ہلاک کر دیتا ہے، ہلاک ہونے سے بچا لیا)۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ شیر آیا اور کنوئیں کا منھ کھول دیا اور پھر پاؤں کے ذریعہ نکال لیا۔

٥٣ **حضرت ذوالنون کا اللہ پر بھروسہ** حضرت ذوالنون[١] مصری قدس سرہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ایک گاؤں میں پہنچے۔ جب رات ہوئی تو گاؤں والوں کو دیکھا کہ وہ بے حد پریشان ہیں، دروازے بند کر رہے ہیں اور مکانوں کے کونوں اور گوشوں میں چھپے جا رہے ہیں۔ حضرت ذوالنون نے پوچھا کہ "یہ کیا معاملہ ہے اور تم لوگ یہ سب کچھ کیوں اور کس کے ڈر سے کر رہے ہو؟" انھوں نے کہا "یہاں کا یہ معمول بن گیا ہے کہ جب

---

[١] حضرت ذوالنون مصری کا نام ثوبان بن ابراہیم تھا کنیت ابو عبداللہ اور ابو الفیض تھی۔ مصر کے رہنے والے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ سے علوم شرعیہ کی اور اسرافیل سے علم باطنی کی تکمیل کی تھی۔ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ اہل ملامت کے پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ ٢٦ شعبان ٢٠٥ھ کو فوت ہوئے۔ مزار مصر میں ہے۔

ت ہوتی ہے تو ایک شیر جنگل سے نکلتا ہے اور جس کسی کو پاتا ہے مار ڈالتا ہے ہمارا خوف وہراس اسی کی وجہ سے ہے"۔ بشریت کے تقاضے کے مطابق ذوالنونؒ کے دل میں بھی ہراس پیدا ہوا۔ انھوں نے چاہا کہ گاؤں کے لوگوں کی طرح وہ بھی چھپ جائیں۔ لیکن پھر وہ اپنے دل میں کہنے لگے کہ "فاعلِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے، فعل اسی کا فعل ہے اور ارادہ اسی کا ارادہ ہے، شیر کیا چیز ہے کہ اس سے ڈرا جائے: لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ (یعنی: کوئی ذرہ بھی ایسا نہیں جو اس کے حکم کے بغیر حرکت کر سکے)۔ (یہ سوچ کر) خدائے تعالیٰ پر توکل کیا اور گاؤں کے باہر اسی جگہ جا بیٹھے جہاں شیر آیا کرتا تھا۔ اور رات وہیں گزار دی۔

علماء کا کہنا ہے کہ یہ اقدام جان کے ہلاک ہونے اور اس کو خطرہ میں جھونکنے کا موجب تھا اور شریعت میں یہ بات جائز نہیں: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (یعنی: اور جان بوجھ کر اپنی جان کو خطرہ اور ہلاکت میں نہ ڈالو)

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں درحقیقت مراد عام مخلوق سے ہے کہ ان کی چشم بصیرت مشاہدۂ حق اور اس کے کاموں کو دیکھنے سے محروم ہے (ان کی چشمِ بصیرت سے حقیقت اور اللہ تعالیٰ کے کام چھپے ہوئے ہیں) لیکن ارباب توحید و توکل کے لئے کہ جن کی نظر سے اسباب اور ذرائع ساقط ہو جاتے ہیں اور جن کو عین الیقین کے درجہ میں پہنچ کر معلوم اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ بغیر اس کے ارادہ اور فعل کے کوئی بات واقع نہیں ہو سکتی۔ گوشۂ عافیت میں چھپ جانا اور جنگل میں جا کر بیٹھ جانا یکساں ہے۔ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ (یعنی تمہیں موت پالے گی خواہ تم مضبوط برجوں میں بھی جا کر بیٹھو)۔ واللہ اعلم

Marfat.com

۵۴

ابوالحسن نوری کے ایثار کا واقعہ

شیخ ابوالحسن نوریؒ[ل۵] ، اللہ تعالیٰ ان کی تربت نورانی کرے۔ اپنے عزیز غلام کی جس کا نام احمد بن غالب تھا، اور جو صوفیہ کے گروہ کا انکار کرتا اور کفر و زندقہ میں مبتلا تھا مشقت کے بارے میں ذکر کرتے ہیں کہ جب خلیفہ نے فقراء کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور اس جماعت کو جس میں نوری قدس سرہ بھی تھے مارنے کا فرمان جاری کیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جلاد آیا اور اس نے تلوار کھینچ کر ایک طرف سے قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت شیخ سب سے پہلے دوڑے اور تواجد میں آ کر جلاد کے پاس جا کھڑے ہوئے تاکہ وہ اُن کی گردن مارے۔ جلاد کہنے لگا "آخر تمہارا مقصد کیا ہے کہ تم سب سے پہلے خود کو قتل کے لئے پیش کر رہے ہو" آپؒ نے فرمایا: "اس طریقے کے سلوک میں میری روش ایثار کی رہی ہے، اب جبکہ زندگی مستعار کا صرف ایک لمحہ باقی رہ گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کو بھی اپنے بھائیوں پر قربان کر دوں" جلاد یہ کلمہ سُن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ لوگوں نے یہ خبر خلیفہ تک پہنچائی۔ خلیفہ نے قاضی کو حکم دیا کہ وہ اس حال کی تفتیش کرے اور تحقیق کرے کہ آخر یہ کونسا گروہ ہے اور ان کا مذہب کیا ہے؟ — قاضی نے نوریؒ سے عبادتوں

ل۵ نام احمد بن محمد یا محمد بن محمدؒ اور لقب ابن بغوی تھا۔ آباو اجداد بغشور کے رہنے والے تھے۔ لیکن آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے نور باطن سے تاریک گھر بھی روشن ہو جاتا تھا۔ نیز اس نور سے مریدوں کے اسرار سے آگاہ ہو جاتے تھے۔ اس لئے آپ نوری کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت سری اسقطیؒ کے مرید اور حضرت جنید بغدادیؒ کے اقران میں سے تھے۔ راہِ طریقت میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کے طریقہ کو نوریہ کہا جاتا ہے۔ صاحبِ وجد و حال بزرگ تھے۔ ۲۹۵ھ/۹۰۸ء میں وصال ہوا۔

Marfat.com

طہارت اور نماز وغیرہ کے بارے میں سوالات کئے۔ نوری نے تمام سوالات کے تشفی بخش جوابات دیئے اور کہا اَمَّا بَعْدُ ھٰذَا فَاعْلَمْ اَنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یَسْمَعُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَنْطِقُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَرِدُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَصْدُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَأْکُلُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَلْبَسُوْنَ بِاللّٰہِ (یعنی: پس جان کہ خدا کے بندے صرف اللہ کے لئے ہیں، وہ اللہ کے لئے سنتے ہیں، اور اللہ کے لئے بولتے ہیں، اور اللہ کے لئے آتے ہیں اور اللہ کے لئے نکلتے ہیں، اور اللہ کے لئے کھاتے ہیں اور اللہ کے لئے پہنتے ہیں)۔

قاضی کے دل پر نوری کے کلام سے ایک ہیبت طاری ہوئی اور اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ وہ خلیفہ کے پاس گیا اور اس سے کہا "اگر یہ جماعت زندیقوں کی ہے تو پھر روئے زمین پر ایک بھی مسلمان نہیں ملے گا۔

۵۵ کافرانِ رہ عشقیم اگر انصاف است صد مسلمان نوائے خواجہ و یک کافرِ ما

(یعنی: ہم لوگ راہِ عشق کے کافر ہیں۔ اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اے خواجہ تمہارے سو مسلمان اور ہمارا ایک کافر برابر ہے)

پس ان سب کو چھوڑ دیا گیا اور ان سے معذرت چاہی گئی۔

یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ شیخ نوریؒ کا یہ تواجد اور ان کا جلاد کی طرف اتنی تیزی سے جانا اپنی جان کے قتل کے سلسلہ میں اس کی امداد کرنا تھا۔ اور شریعت کے فتویٰ کے مطابق یہ بات جائز نہیں۔ کیونکہ قتل نفس پر اعانت کرنا دوسرے کی املاک میں تصرف کرنے کے مانند ہے۔ آدمی کا وجود خود اس کی اپنی کوشش سے نہیں بلکہ وہ حق کی مرضی سے پیدا ہوا ہے۔ اس کو کیا حق ہے کہ وہ اپنی بقا یا اپنی فنا چاہے۔ اسے تو چاہیئے کہ وہ ادب کے حدود سے واقف ہو۔ اسی لئے یہ بات ہر

کہ اپنی جان کو ہلاک کرنا اور اس کے قتل میں مدد دینا شرع کے فتوی کے مطابق جائز نہیں - اور اس بحث سے جو کی گئی ہے خود یہ بات لازم آتی ہے اور عبودیت کا ادب بھی یہی ہے - لیکن خدا جانتا ہے کہ جس حال اور مستی کا ان پر غلبہ ہوا وہ کہاں سے ہوا - اور اس وقت وہ سلوک و شہود کے کس مقام اور کس منزل میں تھے - نوری قدس سرہ بڑی شان کے امام اور حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے نیز ارباب سکر او روجد و حال میں سے تھے -

نوریؒ کا ایک اور واقعہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ خبر پہنچائی کہ "تین دن ہو گئے ہیں کہ ابوالحسن نوریؒ نے کھانا نہیں کھایا ہے اور نہ وہ سوئے ہیں صرف اللہ اللہ کہتے اور تواجد کرتے ہیں"۔ انھوں نے دریافت کیا "ان کی نمازوں کا کیا حال ہے"۔ لوگوں نے کہا "نماز تو پڑھتے ہیں بلکہ جتنا وقت نمازیں گذارتے ہیں اتنے وقت تک ہوشیار رہتے ہیں - جب نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں پھر وہی سرمستی طاری ہو جاتی ہے"۔ انھوں نے فرمایا "اللہ کا شکر ہے کہ وہ محفوظ ہیں اور ان کی حالت درست ہے"۔

روایت ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ غلام خلیل کی آزمائش کے
ص ۵٦ موقعہ پر فقہا کے پاس گئے اور ابو ثورؒ[1] کے مذہب میں داخل ہو گئے اور اس طرح

---

[1] نام ابراہیم بن خالد کلبیؒ، کنیت ابو عبداللہ اور لقب ابو ثور ہے - بغداد میں تقریباً ۱۷۰ھ / ۷۸۶ء میں ولادت اور ۲۷ صفر ۲۴۰ھ / ۸۵۴ء کو ستر سال کی عمر میں انتقال ہوا - مشہور ائمہ مجتہدین میں سے ہیں اور بہت سے مسائل میں جمہور سے منفرد ہیں - حافظ ذہبی نے ان کو الامام المجتہد الحافظ لکھا ہے امام مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ تینوں آپ کے شاگرد ہیں -

Marfat.com

خود کو اُن لوگوں کے شر سے نجات دلائی جو خدائے تعالیٰ کو بھولے ہوئے تھے۔ پھر جب شیخ ابوالحسن نوریؒ ان کے پاس آئے تو وہ غصہ اور عتاب کی حالت میں تھے۔ کہنے لگے "تم فقہا اور عقلا کے پاس ہو آئے ہو۔ لہذا اب ہم دیوانوں اور بلا آشناوں کے درمیان نہ آؤ اور اس راہ کی باتیں مت کرو۔" واللہ اعلم

کسی شیخ کی نفس کشی کا واقعہ

ارباب احوال میں سے ایک کے بارے میں جو حضرت جنیدؒ کے مشائخ کے طبقہ میں تھے یہ بھی روایت ہے کہ ایک رات اُن کو غسل کی حاجت ہو گئی۔ ہوا نہایت ٹھنڈی اور ان کا جسم نہایت کمزور تھا لہذا ان کے نفس نے گرانی اور سستی کی۔ پس نفس کی کراہت پر خرقہ کو بھی جو پہنے ہوئے تھے حوض کے اندر جو تمام کا تمام یخ بستہ تھا ڈال دیا۔ اس طرح روایت کی جاتی ہے کہ وہ خرقہ جو اُن کے بدن پر تھا انتہائی وزنی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ یہ بات مبالغہ سے کہی گئی ہے یا اس میں کچھ حقیقت ہے کہ ان کا خرقہ ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر تھا۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے اس خرقہ کو خشک نہیں کیا بلکہ اسی کو پہنے بیٹھے رہے اور سو بھی گئے۔ یہاں تک کہ کافی عرصہ کے بعد وہ خرقہ ان کے بدن پر ہی خشک ہو گیا ——— یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نفس کو عذاب دینا اور تکلیف پہنچانا ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ آخر اس طرح کا بھاری بھرکم خرقہ پہننے کیلئے آیا کہاں سے تھا۔

ایک بزرگ کا مجاہدہ

ایک اور بزرگ کے بارے میں یہ بھی روایت ہے کہ وہ ننگے پاؤں حج کو جا رہے تھے۔ اگر ان کے پاؤں میں

کانٹے چبھتے تھے تو وہ ان کو نکالتے نہیں تھے۔ اور ان کی آنکھوں میں جو میل وغیرہ آجاتا تھا اس کو اس نمدہ اور ٹاٹ سے صاف کر لیتے جو وہ پہنے ہوئے تھے نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ ان کے پاؤں ورم کر گئے اور آنکھیں جاتی رہیں اور وہ خود ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔

نفس کشی کا ایک اور واقعہ

(ارباب حال میں سے) ایک اور بزرگ کے بارے
میں روایت کی جاتی ہے کہ تیس سال کی مدت
سے ان کا دل ایک مخصوص کھانے کی خواہش کر رہا تھا لیکن وہ اس بات پر ص۵۷
راضی نہ ہوئے کہ نفس کو وہ کھانا دیا جائے اور اس کی خواہش کو پورا کیا جائے۔

اتباعِ نفس کی سزا

ایک اور بزرگ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھوکے تھے۔ کچھ روز بعد ان کو انگور کا ایک دانہ ایک ہرے پتّے کے ساتھ جڑا زمین پر پڑا ہوا ملا۔ ان کے نفس نے بحالتِ اضطرار اس دانہ یا پتے کو زمین سے اٹھایا اور منہ میں رکھ لیا۔ لیکن بعد کو انھوں نے اس کام کی پاداش میں اپنے نفس کو دو تین سال تک ریاضت و مجاہدہ میں رکھ کر گھلایا اور خود بھوک کی آگ سے جلتے رہے۔

نفس کیلئے علاج بالضد

ارباب سکر و حال کے اس قسم کے افعال کی بہت سی مثالیں نقل کی گئی ہیں اور ان افعال کے کرنے میں ان حضرات کا قصد نفس کی ریاضت، حال کی تحقیق اور اس کے کنہ و حقیقت تک پہنچنے کا ہوتا ہے۔ یہ باتیں نفس کا علاج کرنے والے اختیار کرتے ہیں۔ یہ بات لازمی ہے کہ علاج بالضد ہو نفس کی حالت ایسی واقع ہوئی ہے

Marfat.com

کہ جب تک کام میں اتنی سختی نہ برتی جائے اور اس کو تنگی اور تکلیف میں نہ رکھا جائے اعتدال کے مرتبہ پر نہیں پہنچتا۔ اور اگر وہ لوگ نفس کے ساتھ رخصت کا معاملہ کرلیں تو وہ حق کے دائرے میں نہ رہے۔ اور اگر مطالبہ پختہ عزم و ارادہ کے ساتھ کریں تو نفس مجبوراً اجازت دیدیتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ نفس کو مارنے کی ٹھان لیں تو وہ زحمت اور تکلیف گوارا کرلیتا ہے۔

فقہا کا اعتراض اور اس کا جواب

فقہا کہتے ہیں کہ ایسا کرنے میں نفس کو عذاب دینا حلال کو حرام کرلینا اور حد اعتدال سے تجاوز کرنا ہوا۔ اور یہ بات نصِ قرآنی اور احادیث کی رو سے ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ (یعنی: اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے حرام مت کرو، اور اس طرح حد سے گذر جانے کے مرتکب نہ بنو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)

اس آیۂ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ تمام صحابہ جمع ہو کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
58 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ کھانا ترک کردیں اور اہل و عیال سے کنارہ کشی اختیار کریں اور صحرا کو نکل جائیں اور اِدھر اُدھر گھومتے پھریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا: لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ نفس کے ساتھ نرمی اور اس کی مدارات کے بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ جیسی احادیث نفس کے ساتھ نرمی اور اس کی

مدارات کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ویسی ہی نفس اور خواہش کی مخالفت
اور لذتوں اور خواہشوں سے خود کو بچانے کے سلسلہ میں بھی آئی ہیں۔ اصحابِ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ریاضتیں، مجاہدے، سختیوں اور مصیبتوں پر
برداشت اور فقر و فاقہ اور بھوک پیاس کی تلخیاں اتنی زیادہ تھیں کہ کسی کے لئے
بھی اس معاملہ میں اُن کے ساتھ شرکت اور ان کی برابری کی مجال نہیں ہے۔ اول تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آسودگی اور سیری بالکل نہیں تھی۔ بعض
غزوات میں آپؐ کو ایسی تنگ حالی سے سابقہ پڑا کہ اونٹ کی اوجھڑی کو نچوڑتے تھے
اور جو چند قطرے اس میں سے ٹپکتے تھے اس سے آپؐ دہن تر کرتے تھے۔ اور تجرد
(اکیلے زندگی گذارنے) اور رہبانیت سے اس وقت منع کرنا اس بنا پر تھا کہ جہاد
میں لوگ اکٹھے اور مجتمع ہوں اور اسلام کی بنیاد رکھی جائے۔ اس لئے کہ اس وقت
اصل مقصد یہی تھا۔ درحقیقت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے جمال کے مشاہدہ، ایمان کی پختگی، یقین کی قوت، حجاب کے اٹھ جانے
اور شکوک و شبہات کے مٹ جانے کے سبب نفس کو تکلیف پہنچانے اور ریاضت
کے تکلفات سے بے نیاز تھے: اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ اَنطفَی المِصْبَاحُ (یعنی:
جب دن نکل آتا ہے تو چراغ بجھ جاتا ہے)۔ اس کے باوجود بھی یہ روایت موجود ہے کہ
حضرت عمرؓ کے لئے شربت لایا گیا لیکن آپ نے اس کو نوش نہ کیا اور فرمایا کہ "میں ان ۵۹
لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جن کی شان میں آیا ہے: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ
الدُّنْيَا (یعنی: تم اپنی دنیا کی زندگی میں اپنے (حصے کے) مزے اڑا چکے)
اور اصحابِ صفہ کے فقر اور ان کی سختیوں کا حال کہ جو لفظی اور معنوی اعتبار

مستند اور مستقل گروہ صوفیہ ہے، خود معلوم ہے کہ کیا رہا ہے۔

حضرت ابولبابہؓ کی پشیمانی کا واقعہ

حضرت ابولبابہ انصاری[۱] رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے بارے میں آپ کیا کہیں گے کہ انھوں نے اس قصور کی وجہ سے جو بنی نضیر[۲] کے قضیہ کے سلسلہ میں ان سے ظہور میں آئی تھی تصحیح توبہ اور عذر خواہی کے لئے خود کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستون سے باندھ کر کھانا پینا بند کر دیا تھا۔ اور بھوک اور پیاس کی

---

[۱] اصل نام رفاعہ اور کنیت ابولبابہ تھی والد کا نام عبدالمنذر تھا۔ آپ قبیلہ اوس سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقیب تھے۔ بیعت عقبہ کے موقعہ پر ایمان لائے۔ غزوہ بدر کے وقت مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا۔ بدر کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں انتقال ہوا حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ اور حضرت نافعؒ نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔

یہاں جس واقعہ کی طرف حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اشارہ کیا ہے اس کا تعلق بنو نضیر سے نہیں بلکہ یہودیوں کے ایک دوسرے قبیلہ بنو قریظہ سے تھا۔ اس قبیلہ نے غزوہ خندق کے وقت (۵ھ) بدعہدی کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ سے فراغت کے بعد اس بستی کا محاصرہ کر لیا۔ بنو قریظہ نے خود میں مقابلہ کی سکت نہ پا کر درخواست کی کہ حضرت ابولبابہؓ کو مشورہ کیلئے بھیجا جائے۔ جب حضرت ابولبابہ پہنچے تو ان کی آہ وزاری سے بیحد متاثر ہوئے۔ تاہم آپ نے مشورہ دیا کہ وہ خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیں۔ لیکن ساتھ ہی گلے پر انگلی پھیر کر اشارہ کر دیا کہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس انکشاف کے بعد حضرت ابولبابہؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں نے اللہ اور رسولؐ کی خیانت کی ہے۔ یہ سوچ کر مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور خود کو ایک ستون سے باندھ لیا۔ وہ ستون آج بھی ستون ابولبابہؓ کے نام سے مشہور ہے۔

[۲] یہودیوں کا ایک قبیلہ جو مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں آباد تھا ۴ھ میں معاہدہ سے پھر گیا آخر اس بستی کا محاصرہ کر لیا۔ تقریباً دو ہفتہ کے بعد اہل قبیلہ نے معافی مانگی اور وہاں سے چلے گئے۔

وجہ سے نابینا اور بہرے ہو گئے تھے۔ اور عہد کیا تھا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکر اپنے دست مبارک سے نہیں کھولیں گے وہاں سے نہیں ہلوں گا۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم (کو یہ اطلاع پہنچی تو آپؐ) نے فرمایا "میں کیا کروں۔ اگر وہ شروع میں میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا اور پروردگار سے ان کی بخشش چاہتا۔ جب انھوں نے خود ہی اپنے کو درگاہِ خداوندی میں پیش کر دیا ہے تو خدائے تعالیٰ ہی ان کے بند کھولے گا۔ میں نہیں کھول سکتا۔" (آخر) دس بارہ دن کے بعد (جس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے) قرآن مجید، ابولبابہؓ کی توبہ کے سلسلہ میں نازل ہوا۔ چنانچہ آپؐ تشریف لائے اور خود ان کے بندوں کو کھولا۔

اب دیکھیے ابولبابہؓ کا خود کو مسجد نبویؐ کے ستون سے باندھ لینا اور کھانا پینا ترک کر دینا اور اس طرح خود کو ہلاکت میں ڈالنا آخر کیوں تھا۔ کیا یہ شریعت تھی نہیں! شریعت تو صرف توبہ، ندامت اور عزم کا نام ہے۔ یہ تمام باتیں توبہ میں داخل نہیں۔ اگر نفس کو غذا نہ دینا، اور ان کا اسقدر سختی و جہاد کرنا، مجاہدہ اور ریاضت کے مقام میں حرام اور ممنوع ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس فعل سے کیوں منع نہیں فرمایا، اور اس کام سے کیوں باز نہیں رکھا۔ یہ بات غلبۂ حال وسکر اور وجد کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ ف۶

صحابہؓ کے سکر ومستی کے واقعات

صحابہ رضوان اللہ علیہم پر بھی غلبۂ حال ومستی ہوتا تھا۔ آخر حضرت بلال رضؓ کا اس آیت کے نزول کے وقت مسجد میں وجد کرنا اور رقص کرنے لگنا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (یعنی: اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)

Marfat.com

اور حضرت عمر بن خطابؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح کفار سے حدیبیہ کے روز منع کرنا، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قضیۂ افک کے موقع پر اپنی پاکیزگی اور بریت کے سلسلہ میں قرآن مجید کے نزول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرنے سے انکار کرنا۔ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا ذکر کے جاری ہونے کے وقت یہ قول کہ وہ اس امت کے لئے خصوصیت سے رحمت ہے۔ اے اللہ! معاذ اور اہلِ معاذ کو اس رحمت سے فراموش نہ کر۔ اور ان کا بیہوشی اور سکراتِ موت کے وقت یہ قول اِخْنِقْ خَنْقَكَ فَوَعِزَّتِكَ لَتَعْلَمُ اَنِّىْ اُحِبُّكَ (یعنی گلا گھونٹ اپنا گلا گھونٹنا۔ تیری عزت کی قسم، تو جانتا ہے کہ میں تجھے دوست رکھتا ہوں) یہ سب وجد و مستی اور حال کے غلبہ کی وجہ سے تھا۔ واللہ اعلم

وصل ۱۲

مشائخ کا اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالنا

مشائخ طریقت میں سے جو توحید و توکل کے طریق کے سالک رہے ہیں بعضوں کے متعلق روایت ہے کہ وہ بغیر سامان اور بلا کسی ساتھی کے ایسے صحراؤں اور جنگلوں میں جا پہنچے جہاں جان کا خطرہ تھا۔ وہاں ان کو حیران و سرگشتہ ہونا پڑا۔ فقہا کا ان سے نزاع و اختلاف ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ وہ اسباب جو حکیم مطلق نے

ل معاذ نام اور ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ مدینہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ بیعت عقبہ ثانی میں حاضر تھے۔ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قاضی اور معلم کی حیثیت سے یمن روانہ فرمایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے بعد شام کا والی مقرر کیا لیکن اسی سال ۱۸ھ ۶۳۹ء میں طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر ۳۸ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ سے عمرو بن العاصؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ نے حدیث کی روایت کی ہے۔

پیدا کیے ہیں ترک کرتے ہیں اور اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ یہ سب کچھ سنت کے خلاف ہے۔

جواب اس مسئلہ کے متعلق یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے جو اسباب کہ جریان عادت کے حکم سے پیدا کیے ہیں۔ اور مسببات کا ان کے ساتھ ربط و تعلق رکھنا ہے وہ تین قسموں پر ہیں۔

اسباب کی پہلی قسم ص ۶۱

ایک قسم ان میں سے یقینی ہے کہ فعل کا تعلق اور اس پر اس کا موقوف ہونا ضروری ہے اور اس کا ختم کر دینا (سقوط) اور اس سے تجاوز کرنا عادتاً محال ہے کسی کے لئے بھی ان میں سے کسی ایک کا ترک کرنا ممکن نہیں اور اس کا ترک کرنا گناہ ہے۔ چنانچہ لقمہ اٹھانا اور منہ میں رکھنا اور اس کو چبانا اور حلق سے اتارنا۔ ان اسباب کو ترک کرنا توکل میں داخل نہیں ہے۔ مگر یہ کہ حق تعالیٰ کسی کے حق میں اس کو خرق عادت کر دے، اور معجزہ اور کرامت کے طور پر اس کا اسقاط فرما دے۔

اسباب کی دوسری قسم

دوسری قسم اسباب ظنیہ کی ہے کہ جو عام حکم پر غالب ہے اور اس کے لئے عادت کا جاری ہونا ایک مدخل اور سبب کی حیثیت رکھتا ہے لیکن یہ قسم طبائع کے اختلاف، عادت، ریاضت، تفاوتِ قویٰ اور افرادِ انسانی کی ہمتوں کے مطابق مختلف ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص ہے جو اپنی طبیعت کی مضبوطی سے اور ہمت کو کام میں لا کر تین دن یا پانچ دن یا اس سے بھی زیادہ بھوکے رہنے کی طاقت رکھتا ہے، دوسرا ایسا ہے جس نے اپنی عادت اور ریاضت سے خود کو اس منزل پر پہنچا لیا ہے کہ اس کو دس دن تک

کھانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور بھوک اس کو ہلاکت تک نہیں پہنچاتی۔ اور اگر ایسا ہوتا ہے تو درختوں کے پتے، جنگل کی گھاس پھوس اور اسی قسم کی اور چیزیں کھا کر بھوک کو دفع کر دیتا ہے۔ یا باطن کی سیری کو نورِ یقین، غذائے روحانی اور عشق و محبتِ الٰہی کے غلبہ سے دور کرتا ہے۔ چنانچہ مشائخ طریقت میں سے کسی ایک سے لوگوں نے دریافت کیا "آپ کی قوت کیا ہے؟" انھوں نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت پر اس بھروسہ کے ساتھ کہ وہی رزق اور موت کا دینے والا ہے اور اس یقین کے ساتھ کہ زندگی اور بقا کا اصل سبب قدرت باری تعالیٰ ہے نہ کہ کھانا اور پانی۔ ذکر الحی الذی لا یموت" (میری قوت ہے)

پس اگر ایک شخص دس دن تک بھوکا رہنے کی عادت ڈال لے اور دوسرا دس دن تک بغیر سامان کے سفر کرے تو وہ گنہگار کیوں ہوگا اور واجب کا ترک کرنے والا کیسے سمجھا جائے گا۔ اس کو ان عام لوگوں پر قیاس کرنا جو ایک دن کی بھی بھوک اور پیاس برداشت نہیں کر سکتے درست نہیں ہے۔ اور مشائخ طریقت میں سے یہ امر نہایت صحت کے ساتھ پہنچا ہے کہ وہ ریاضت اور عادت ڈالنے سے رفتہ رفتہ افطار بعین ایک مدت معینہ میں حاصل کر لیتے ہیں۔ پس سالکین جو مرتبہ توکل و یقین پر پہنچ گئے ہیں جنھوں نے ریاضت و مجاہدہ کیا ہے اور جن کو مشاہدہ توحید حاصل ہو چکا ہے ان کے حق میں ان اسباب کی رعایت رکھنے کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

ایک بزرگ کے بارے میں روایت ہے کہ ان کا بارگاہِ خداوندی میں عہد تھا کہ دس روز یا زیادہ جیسا کہ نقل کیا گیا ہے بغیر کھانے اور پانی کے گزاروں گا۔ اتفاق سے اپنے کسی سفر میں دس روز بھوکا رہ کر گزارے اور دس دن کے بعد زمین پر گر پڑے اور

Marfat.com

مجبور ہو گئے۔ پیروں نے چلنے سے جواب دیدیا۔ اور سفر کی طاقت باقی نہ رہی، مناجات
کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی: "بار خدایا! دس روز گذرے اور ابھی سے یہ حال ہے کہ
کہ بھوکا رہنے کی طاقت نہیں رہی۔ اب تیرا کیا حکم ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا
کہ "تو غذا چاہتا ہے یا قوت"؟ انھوں نے کہا "مقصد اصلی تو قوت ہے کہ اس سے میں
راستہ طے کر سکوں"۔ جواب ملا "ہم قوت دیتے ہیں تو اس کا غم مت کر"۔ پھر وہ اتنی مدت
تک جتنا کہ خدا نے چاہا تھا بغیر کھائے سفر کرتے اور قوت روحانی کے غلبہ اور خدائے تعالیٰ
کی تائید و تقویت سے سیاحت کرتے رہے۔

اسباب کی تیسری قسم

تیسری قسم اسباب وہمیہ کی ہے جو کلیتہً وہم سے پیدا ہوتا
ہے۔ یعنی یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ اگر ان اسباب کو
میں خود فراہم نہ کروں تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر آج میں
کل کے اسباب کی فراہمی کا تہیہ نہ کروں تو کیا حال ہوگا اور کس طرح بسر کر سکوں گا۔ یہ
خالص وہم ہے۔ اور ان اسباب کا اتباع اور رعایت توکل کے منافی ہے۔ مگر جس جگہ
اس کے فقدان کا غلبہ ہو وہاں وہ پھر اسباب عادیہ کی جانب لے جاتا ہے۔ اور اس کا
حکم معلوم ہی ہے۔ مثلاً جنگل میں جانے سے اجتناب کہ اس جگہ درندہ کا وجود عرف اور
عادت کے حکم میں داخل ہے اور اسباب عادیہ سے ہے۔ اگرچہ کسی نے بھی وہاں کبھی
کوئی درندہ نہیں دیکھا مگر شاذ و نادر، تاہم محض اس وہم اور احتمال کی بنا پر کہ شاید
خلاف عادت اس کا وجود ظاہر ہو جائے اور وہ مار ڈالے۔ یہ حکم وہم ہے اور توکل
کی حقیقت کے منافی ہے۔ اور اسی طرح خواب اور سیلاب اور وہ جگہ جو سیلاب کے
پھوٹ نکلنے کا عادتاً محل ہے ظنی چیز ہے۔ اور جس جگہ کہ سیل بالکل نہیں آیا لیکن

Marfat.com

نفس الامر میں عقلاً اس کا امکان ہے کہ شاید پیدا ہو جائے یہ وہم ہے۔ هٰذَا هُوَ الْقَوْلُ الْفَصْلُ وَعَلَيْهِ التَّعْوِيْلُ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ۔ (یعنی: یہ جو کچھ مذکور ہوا حق اور باطل کے درمیان فصل پیدا کرتا ہے۔ اور اسی پر بھروسہ ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور راہ ہدایت پر چلاتا ہے)

حاصل کلام یہ کہ اربابِ احوال کے (جو خدا کی راہ کے صادق لوگ اور اس کی درگاہ کی طرف متوجہ رہنے والے ہیں) احوال و اقوال میں توقف اور تسلیم و رضا کی خوبی معلوم و مسلم ہے۔ اس باب میں غور و خوض ضروری ہے کیونکہ بغیر کسی مصلحت و ضرورت کے انکار کر دینا خطرہ سے خالی نہیں۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ (اسلام اختیار کرلے سلامت رہےگا) یہ اس گروہ کے حق میں نہایت ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اس گروہ کے حق میں تو راستی، تسلیم و انکار میں برابر ہے اور نہ تمہارے فائدہ کے لئے نہ نقصان کیلئے لیکن اگر توفیق ساتھ دے اور کام کے شروع ہی میں پتہ چل جائے نیز باطن میں ان پر حال اور وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو وہ ایک دوسری ہی بات اور ایک اور قسم کی سعادت ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ بہرحال تجھے اعتقاد اور ایمان کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمارے طریقہ میں ایمان جو ولایت میں سے ہے یہ ہے: "اوسط و اعتدال کا راستہ ہر کمال کی جڑ اور اس کا بلند ترین سرا ہے"۔ واللہ الموفق۔

مؤلف کتاب کے اشعار

۶۴ اے مخالف اربابِ حال تو اپنا کام کر۔ کہ یہ ایک دوسرا ہی راستہ ہے۔ ہر شخص الگ الگ کاموں کے قابل ہوتا ہے لیکن یہ بات ذہن میں رکھ کہ انکار مت کر، خدا کے لئے اس کام کی مخالفت

Marfat.com

نہ کر، درویشوں (درگاہِ بے نیاز کے محتاجوں) کی حالت کو دیکھ اور ان کے عشق کی کوشش و شورش پر نظر رکھ کہ وہ اس راستہ میں کیسی طلب رکھتے ہیں اور اسی طلب ہی کی وجہ سے کیسی سختی جھیلتے ہیں۔ اگر اس طلب سے ان کا مقصد خدائے تعالیٰ کو پانا نہیں ہے تو آخر یہ سب دوڑ دھوپ ان کی کس وجہ سے ہے، طلب میں ان کی یہ ساری جانبازی کیا ہے اور اپنا مال و اسباب کس لئے فدا کر رہے ہیں۔ کشف اگر کوئی چیز نہیں ہے تو تمہارا قیاس کیا چیز ہے۔ عقل جو تیرے حواس کا درک و ادراک ہے کہاں سے آئی ہے۔ بہر حال اگر تجھے وجد میسر نہیں ہے تو کم از کم اس پر اعتقاد رکھ اور ایمان لے آ۔

وصل ۱۳

وہ باتیں جن میں مشائخ و علما کا اجماع ہے

اب ہم (چاہتے ہیں کہ) مشائخ کے کلام میں سے وہ باتیں بیان کریں جو اس چیز (وجد و حال) کی موافقت اور تقویت کے لئے ہیں جو ہم نے (اوپر) بیان کی ہیں تو یہ مناسب ہوگا۔ تاکہ طالب کو حق بات کے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ تصوف کی کتابوں میں جن کی صحت پر دونوں طرف کے لوگوں کا اجماع ہے اور جن پر دونوں فریق متفق ہیں اسکی تصریح موجود ہے۔ لیکن ہم نے کتاب "قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ" سے کہ جو الشیخ الامام الہمام قدوۃ المتاخرین حجۃ المتقدمین صاحب الطریق القویم والداعی بخلق اللہ الی الصراط المستقیم الامام العالم العامل الکامل القیم المعدل الفاروق شہاب الحق والحقیقت والشرع والدین سیدی احمد المغربی البرنسی

عرف بہ زروق کہ جو اکابر علمائے وقت اور اعاظم مشائخ مغرب سے تھے اور ۶۵
جن کو دیار عرب کے تمام مشائخ تسلیم کرتے تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واسعۃ کاملۃ کی تصنیف ہے نقل کیا ہے اور جب اہلِ حق اور اربابِ تحقیق سب کی ایک ہی رائے ہے تو پھر ایک کے کلام سے نقل کر دینا ایسا ہی ہے جیسا سب کے کلام سے نقل کرنا۔ اور چونکہ کتاب مذکور میں مسائل کے عنوانات کیلئے لفظ قاعدہ استعمال کیا گیا ہے اس لئے ہم بھی اس موقع پر لفظ قاعدہ ہی کو کام میں لاتے ہیں۔ توفیق کا دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قاعدہ (۱)

فقہ کا حکم عام اور تصوف کا خاص ہے

فقہ کا حکم عام ہے اس میں تمام مخلوق شامل ہے اور خواص و عوام سب اس کے محکوم ہیں۔ اس لئے کہ اس کا مقصد شریعت کے مراسم کا قیام اور دین و ملت کے جھنڈوں کو بلند کرنا ہے۔ فقہ کی بنیاد علم پر ہے۔ اس لئے اس کے قواعد و ضوابط کلیہ کا حکم رکھتے ہیں اور افراد و اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے بدلتے نہیں۔ تصوف کا حکم خاص ہے۔ یعنی وہ مخصوص ہے صرف اہل قرب و خصوص کے لئے اس لئے کہ وہ پروردگار اور بندہ کے درمیان ایک معاملہ ہے۔ اس کا مدار ذوق اور حال پر ہے۔ اس کے احکام ایسے جزئیات ہیں جو حال، وجدادر ذوق کے اختلاف سے بدلتے رہتے ہیں۔ اور اسی لئے یہ بات ہے کہ فقیہ کا صوفی کو حکم دینا اور کسی بات سے منع کرنا صوفی کے لئے صحیح ہے لیکن صوفی کا فقیہ کی کسی بات سے انکار درست نہیں ہے بلکہ صوفی کا احکام کے لئے

Marfat.com

فقیہ سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ تاکہ وہ ان پر عمل کرے۔ اور حقائق کے بارے میں بھی تاکہ وہ شریعت کے خلاف نہ چل پڑے۔ چنانچہ یہ حکم ہے کہ ہر وہ حقیقت جو شریعت کو رد کرتی ہو سراسر زندقہ ہے۔ فقہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ احکام میں صوفی سے رجوع کرے۔ پس تصوف شریعت کا محتاج ہے اور فقہ تصوف سے مستغنی ہے۔ اگرچہ تصوف مرتبہ کے لحاظ سے فقہ سے اعلیٰ وارفع ہے لیکن فقہ مصلحت میں اسلم اور اعم (جس کو سب جانتے ہیں) ہے۔ اور اسی کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ "کُنْ فَقِیْهًا صُوْفِیًّا وَلَا تَکُنْ صُوْفِیًّا فَقِیْهًا" (یعنی فقیہ صوفی بن اور صوفی فقیہ نہ بن) یعنی پہلے فقاہت اور شریعت کے عمل اور ظاہر کی حفاظت کر اس کے بعد مقام تصوف، انصاف، حقیقت اور باطن کی صفائی کی طرف ترقی کر۔ اس لئے کہ یہ چیز سب سے مکمل سب سے زیادہ پوری اور سب سے زیادہ مسلم ہے، عملاً بھی حالاً بھی اور ذوقاً بھی۔ اور صوفی فقیہ نہ بن، یعنی اول ہی سے تعلق حقیقت، توجید اور مواجید باطن سے مت قائم کر۔ اس لئے کہ اس کے بعد ظاہر کی رعایت اور شریعت کے اتباع میں مضبوطی پیدا نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے وَلَا یُقَدِّمُ الْبَاطِنُ عَلَی الظَّاهِرِ وَلَا یَکْتَفِیْ بِالظَّاهِرِ عَنِ الْبَاطِنِ (یعنی: مت مقدم رکھ باطن کو ظاہر پر اور نہ کافی سمجھ ظاہر کو باطن کے بغیر)۔ اس میں یہ وصیت کی گئی ہے کہ مرید کو چاہئے کہ حقیقت کے باطن کو شریعت کے ظاہر پر مقدم نہ رکھے۔ تاکہ مذہبِ باطنیہ میں نہ چلا جائے اور الحاد میں نہ مبتلا ہو جائے (معاذ اللہ) اور باطن کے بغیر ظاہر پر اکتفا نہ کرے تاکہ اہلِ قشر و تقشف میں شامل نہ ہو اور صرف فقاہت پر توقف نہ کرے اور انوار و اسرار سے محروم نہ رہے۔ فقہ سے تصوف

ط ٦٦

کی جانب رجوع زیادہ طلب اور ترقی کے شوق اور کمال کے حصول کی پیاس کے باعث آسان ہے۔ لیکن تصوف سے فقہ کی جانب رجوع ذوق باطن کے استیلا اور حقیقت کے غلبہ کے بعد دشوار ہے۔ پس پہلے شریعت کے عروۃ الوثقیٰ اور فقاہت کے ساتھ تمسک کرے اس کے بعد حقیقت اور تصوف کی بلند ترین چوٹی تک رسائی پائے۔ فقاہت اسلام کا مرتبہ ہے۔ کلام ایمان کا درجہ ہے اور تصوف مقامِ احسان ہے۔ چنانچہ حدیثِ جبرئیل علیہ السلام میں یہ تینوں مقام بیان کئے اور تفصیل سے دیئے گئے ہیں: اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ رَبَّکَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (یعنی: احسان یہ ہے کہ عبادت کر اپنے رب کی گویا تو اسے دیکھ رہا ہے) (الحدیث) اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "جو صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا وہ زندیق ہے اور جس کسی نے فقہ حاصل کیا لیکن تصوف اختیار نہ کیا اس نے فسق کیا۔ اور جس کسی نے ان دونوں چیزوں کو ملایا وہ تحقیق کی منزل پر جا پہنچا"۔ حاصل کلام یہ کہ کمال کا مرتبہ فقہ صحیح اور ذوق صریح ہے۔ اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دینا زوال اور نقصان کا موجب ہے۔ چنانچہ علمِ طب ہی کو لے لیجئے۔ بغیر تجربہ کے یہ علم کافی نہیں ہے۔ اور طب کا تجربہ بغیر اس کے علم کے کام نہیں دیتا۔ واللہ اعلم

قاعدہ ۲۰

کیا صوفی کا کوئی مذہب نہیں | تشعب (شاخ در شاخ ہونا) اصل اور اس کا

Marfat.com

تفرق موجب تشعب ہے۔ اور مذہب فرع ہے لہذا توحید کو برہان اور تحقیق کو مستند ہونا چاہیئے۔ اور فرع کو اصل کے ساتھ کہ ان پر رجوع اور اعتماد کیا جاتا ہے مضبوطی کے ساتھ تھامنا چاہیئے تاکہ کام کے کرنے میں جدوجہد کا عنصر شامل ہو جائے۔ اور کامیابی ظاہر ہو۔ کیا فقہ کیا کلام اور کیا تصوف امام، ہادی اور شیخ ایک ہی ہونا چاہیئے پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں۔ صحیح نہیں۔ مگر اسی ایک مذہب کی۔ روایات سے اخذ و اقتباس ادنیٰ و احوط ہے۔ جس کے اتباع کا التزام کیا گیا ہے۔ خواہ اس مذہب کے عام ائمہ کا وہ قول نہ ہو۔ طریقت کے تمام ائمہ اور ملت کے جملہ اساطین فقہا کے مذہب کے تابع رہے ہیں۔ چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ، حضرت سفیان ثوری[۱] کے مذہب پر تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ مذہب امام حنبلؒ ہیں، اور حضرت شیخ شبلیؒ مذہب امام مالکؒ ہیں، اور جریری[۲] امام اعظمؒ کے مذہب ہیں۔ اور حارث محاسبی مذہب شافعی[۳] رکھتے تھے رضی اللہ عنہم

۱؎ آپ کا نام سعید اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہے۔ علوم ظاہر و باطن میں یکتائے روزگار تھے۔ چنانچہ پانچ مجتہدوں میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ آپ نہ صرف ایک بڑے راوی حدیث ہیں بلکہ جتنی حدیثیں آپ نے سنیں ان پر عمل بھی کیا۔ ۳ شعبان ۱۶۱ھ ۷۷۸ء کو بصرہ میں انتقال ہوا۔

۲؎ شیخ احمد ابو محمد جریریؒ، حضرت جنید بغدادیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ فقہ اور اصول فقہ کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ طریقت میں بھی نہایت بلند درجہ تھا۔ آپ کی وفات ۳۱۴ھ ۹۲۵ء میں قرامطہ کے حملہ کے وقت پیاس کی شدت سے ہوئی۔

۳؎ اصل نام محمد بن ادریس، کنیت ابو عبداللہ اور لقب شافعی ہے مکہ معظمہ کے قبیلہ قریش سے تھے اور آٹھویں پشت پر سلسلہ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب سے مل جاتا ہے اسی لئے آپ کو امام ہاشمی مطلبی کہا جاتا ہے۔ ۱۵۰ھ ۷۶۷ء میں بمقام منیٰ ولادت ہوئی مکہ میں تعلیم پائی پھر مدینہ منورہ میں حضرت امام مالکؒ کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ وہاں سے کوفہ و بغداد گئے اور امام محمد شیبانیؒ اور امام ابو یوسفؒ سے اکتساب فیض کیا تعلیم سے فارغ ہو کر مصر میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۲۰۴ھ ۸۱۹ء میں بعمر ۵۴ سال انتقال فرمایا۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صوفی کا مذہب جزئیات میں صاحبِ حدیث کا تابع ہے، یہ بات اس اعتبار سے ہے کہ اپنے مذہب پر عمل روایت کے مطابق کرتا ہے جو نص حدیث کے موافق ہے اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ وہ احتیاط کے مخالف اور وسع کے خلاف نہ ہو۔ اگر علما کے مذاہب میں جمع ارشد و احوط (سب سے زیادہ احتیاط کے ساتھ) ظاہر ہو تو یہ بھی جواز کی صورت رکھتا ہے لیکن نرم اور آسان چیز کا تتبع جائز نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

قاعدہ ۳۰　　ص ۶۸

کتاب و سنت کا اتباع ضروری ہے

فرع کا اعتبار اصل اور قاعدہ سے ہے۔ اور اصل اور قاعدہ کتاب و سنت ہے۔ پس جو قول بھی ہو اور جس قائل سے بھی ہو خواہ وہ فقیہ سے ہو، متکلم سے ہو یا صوفی سے ہو اصل اور قاعدہ ہے اس کو قبول کرے لیکن اگر اہلیت رکھتا ہو رد کردے۔ اور اگر تاویل کے قابل ہے تو تاویل کی راہ چلے۔ اور اگر تاویل پذیر نہیں ہے اور اس کا قائل علم و دیانت میں پورا ہے تو اسے مان لے۔ ہر صورت میں حقیقی طور پر کوئی تردید کرنے والا ہے اور نہ اس کے قاعدے پر کوئی وقیع اعتراض ہی ہے اس لئے کہ فاسد کا فساد بھی اس سے رفع ہو جاتا ہے اور نیک آدمی کی نیکی کو بھی اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ پس غالی قسم کے صوفی متکلمین اور فقہ میں مطعون لوگوں پر اہلِ ہوا کا حکم لگایا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کا بھی قول و فعل مسلم اور مقبول نہیں ہے۔ بلکہ ان کے قول کا رد لازم اور ان کے فعل سے اجتناب واجب ہے۔ مذہبِ حق کو ترک کرنا اور اس بات میں جو یقین سے ثابت ہے توقف اور تردد کرنا خواہ وہ قول سے ہو یا اس فعل سے جو ان سے منقول یا منسوب ہے جائز نہ ہوگا۔ "جو کچھ ہونا ہے ہوتا رہے" کا اصول ہر کسی پر نہیں چلتا

چاہیئے۔ اور ہر کسی کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہیے۔ جس کا اتباع حقیقی اور صحیح ہے وہ شارع علیہ السلام ہیں اور جو کوئی آپؐ کے علاوہ ہے وہ آپؐ کا تابع ہے۔ کتاب و سنت حجت ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

قاعدہ ۷۲

کلام میں اشکال و ابہام کا سبب اور اس کا حکم

ایسا اشکال اور ابہام اگر کلام میں موجود ہو کہ بغیر تامل و تکلف اس سے منع کیا گیا ہو اور ممانعت کو ماننا لازم ہو تو اس کا حکم وہ ہے جو پچھلے قاعدہ میں مذکور ہوا۔ لیکن اگر الزام اور اشکال کا قائم کرنا تکلف اور تامل کے ساتھ ہوا ہے اور ظاہر کلام صحیح اور واضح ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ اس لئے کہ تامل اور تکلف کے بعد اشکال کے عارض ہونے سے خلو کلام اس کے ایجاد اور ایراد میں نادر اور اقل قلیل کا درجہ رکھتا ہے اور اگر اشکال اور عدم اشکال کا لزوم
٦٩ عقل میں متبادر (جلد آنے والا) متجاذب (ایک دوسرے کو کھینچنے والا) اور برابر ہوں تو بلاشک کلام کے تجاذب کے حکم پر کلام بھی مشکوک اور متنازع فیہ ہو جاتا ہے۔ کلام میں اشکال کبھی تو معنی و مفہوم کی زیادتی اور عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اصل کلام میں کچھ گڑبڑ ہوتی ہے اور جو مفہوم اس میں دیا گیا ہے اس میں انتشار و اختلال ہوتا ہے لیکن اس گروہ کے کلام میں اشکال و ابہام کا وجود اصل میں قسم اول سے ہے اس لئے کہ ان کا مقصد و مقصود غایت نزاکت اور بلندی میں ہے ہر چند کہ اس کی فصاحت و وضاحت میں کوشش کرتے ہیں لیکن زیادہ مشکل اور موہوم نہیں ہوتا۔ اور منکروں کے نزدیک دوسری قسم سے ہے۔ بہر حال اس میں ہر شخص معذور ہے

اگر کوئی معتقد پرہیز اور یکسوئی نہ اختیار کرے تو وہ بھی خطرہ میں ہے۔ امن اور سلامتی تفویض اور تسلیم میں ہے۔ واللہ اعلم

قاعدہ ۵۷

علم اور حال کا فرق علم کی بنیاد بحث اور تحقیق پر ہے اور حال کی بنیاد تسلیم اور تصدیق پر۔ پس عارف اگر علم کی حیثیت سے باتیں کرے تو اس کی نظر اصول علم پر (کہ جو کتاب، سنت اور آثار سلف ہے) پڑتا لازم ہے۔ اس لئے کہ علم کا اعتبار اس کی اصل اور دلیل کے ساتھ ہے۔ اور اگر بات کی جائے حال کے اعتبار سے تو اس کے لئے تسلیم کے سوا چارہ نہیں ہے اس لئے کہ وصول اور اس کی حقیقت کا علم سوائے اس حال کے اور کسی طرح میسر نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کا اعتبار اس کے ذوق و وجدان پر ہو گا۔ اور اس چیز کا علم صاحب حال کی اعانت سے مستند ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اتباع اور اقتدا نہ ہونا چاہیئے سوائے ایسے شخص کی جو اس حال میں اس کے ساتھ ایک ہو گیا ہو۔ ایک استادِ طریقت اپنے مرید سے خود فرماتے تھے "اے میرے بیٹے پانی کو ٹھنڈا کر کے پیو کیونکہ ٹھنڈے پانی کے پینے سے دل کے اندر سے شکر ادا ہوتا ہے۔ پس اس شخص یعنی سری سقطی[1] قدس سرہ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو کہ

---

[1] حضرت شیخ سری بن المغلس السقطیؒ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ شیخ معروف کرخیؒ کے مرید اور خلیفہ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں اور مرشد تھے پھلوں کی تجارت کرتے تھے لیکن نفع بہت کم لیتے تھے۔ علم میں کامل و ماہر اور صاحب تصرف بزرگ تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا کہنا ہے کہ میں نے عبادت میں ان سے زیادہ کسی کو کامل نہیں پایا۔ ۳ رمضان ۲۵۰ھ ۸۶۴ء کو منگل کے دن بغداد میں وصال ہوا۔

ان کے پانی کے ہر برتن پر دھوپ آجاتی تھی اور وہ نہیں اٹھاتے تھے۔ کہتے تھے کہ "مجھے شرم آتی ہے کہ اس کو صرف حظِ نفس کی خاطر اٹھاؤں"۔ ان کا کلام، صاحبِ حال کا کلام ہے اسلئے ان کی اقتدا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

قاعدہ ۷۶

صاحبِ وجد و حال کیلئے احکامِ شرعیہ کی قضا لازم ہے

صاحبِ وجد اور صاحبِ حال کا وجد اور حال جب اس مقام پر پہنچ جائے کہ اختیار کی باگ ڈور اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے اور وہ اپنے نفس کا مالک نہ رہے تو وہ معذور ہے اور اس حالت میں اس پر مجنون کا حکم لگتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس پر افعال کا اعتبار ساقط اور احکامِ تکلیفیہ کا جاری ہوجانا معدوم ہوجاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے وجد و حال کی تحقیق ہوسکے اور وہ صحیح ثابت ہوکر تکلیف اور اختیار کے شائبہ سے خالی ہوجائے۔ اس حالت میں اس سے جو چیز بھی فوت ہوجائے گی فائت (چھوٹ جانے والی چیزوں) کا استدراک اور فوت ہونے والی اشیاء کی قضا لازم آئے گی۔ اسباب کے سبب بنانے اور خود کرنے میں کسب اور اختیار کے وجود کا اعتبار رہے جیسے سکران (نشہ) کہ اگرچہ حالتِ سکر پر وہ قدرت اور اختیار نہیں رکھتا لیکن چونکہ اس حالتِ سکر کا حصول خود اس کے ارتکاب اور اختیار سے ہوتا ہے تو فوت ہونے والی چیزوں کی قضا اس پر واجب ہے بخلاف اصلی مجنون کے۔ عذر اور مواخذہ کے رفع ہوجانے کے باوجود اس فعل میں اس کا اقتدا جائز

نہیں ہوگا، اور اس کی متابعت روا نہیں ہوگی۔ مثلاً حضرت ابوالحسن نوریؒ کا جلاد کے نزدیک وجد کرنا، اور حضرت ابو حمزہؒ کا کنوئیں میں ٹھیرنا، اور حضرت شیخ شبلیؒ کا حال ڈاڑھی کے مونڈتے ہیں اور نئے کپڑے کے پھاڑ ڈالتے ہیں، اور سمندر کے اندر مال کے ملنے ہیں۔ اور اسی طرح کی اور مثالیں بھی ہیں۔ ان کے ان اعمال کے ظاہر سے جو وجد اور حال کے غلبہ کی وجہ سے سرزد ہوتے۔ چنانچہ ایسی روایتوں کی ایک طویل فہرست ہے جو بیان کی جاتی ہیں۔ سماع کی حالت میں رقص اور وجد بھی اسی قبیل سے ہے اگر تکلیف کی آمیزش اور اختیار اور قصد کے دخل کے بغیر صرف اس وجہ سے کہ اس سے صبر کرنا اور رکنا ممکن نہ ہو صادر ہو جائے اور ضبط کے دائرہ اور حفاظت کے امکان سے خارج ہو تو اس کا کرنے والا معذور ہے اور تحقق اور صحت کی صورت میں اس کا حال مسلّم ہوگا انکار میں مبالغہ اور اعتقاد میں تعصب نہیں ہونا چاہیئے۔ ۱۷

جب ایک مجنون عورت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور مرگی اور جنون سے جو اس کو لاحق تھا اور ستر عورت کو ظاہر کرنے اور بری حرکتوں کی وجہ سے کہ جو اس وقت اس سے سرزد ہوئی تھیں اس نے آپؐ سے شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تو چاہے تو صبر کر تاکہ تجھے مصیبت اور تکلیف کی جزا بہشت بریں دی جائے اور اگر چاہے تو میں دعا کروں اور پروردگار جل شانہ سے درخواست کروں کہ وہ تجھ کو صحت اور اس بلا سے نجات دے۔" وہ عورت اس بات پر راضی ہوگئی کہ صبر کرے اور بہشت میں جائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو

Marfat.com

جنون وطلب شفا پر اختیار دینا اور آپؐ کا اس کو جنون کے اختیار کرنے میں اقرار کرانا اور منوانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ افعالِ نامرضیہ کی شکل میں اس سے جو امور سرزد ہوئے اس میں وہ معذور تھی اور اس سے اس کو کوئی ضرر بھی نہیں پہنچتا تھا۔

قاعدہ ۷

درجۂ کمال پر فائز ہونے کے بعد بھی شریعت کے احکام ساقط نہیں ہوتے

زیادتی اور کمال کا ثابت ہو جانا احکامِ تکلیفیہ کے رفع ہونے اور حدودِ شرعیہ کے ساقط ہو جانے کا موجب نہیں ہے۔ اور اجرائے حدود اور احکامِ شرع لازم کر دیتا ہے کہ خصوصیت کو رفع اور زیادتی کا انکار کیا جائے۔ (یعنی ان باتوں کے سامنے خصوصیت اور بڑائی و بزرگی کی کوئی حقیقت نہیں) نہ یہ کہ جس کسی پر حقوق شرع میں سے کوئی حق یا اس کی حدود میں سے کوئی حد لازم آتی ہے۔ اس پر حق کا اثبات اور اس حد پر قائم رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن ضبط اور اعتدال کی رعایت کی شرط کے ساتھ مبالغہ اور افراط سے احتراز و اجتناب اور حرمتِ ایمانیہ اور عزتِ اسلام کی حد سے تجاوز اور اس کا انتساب اللہ تعالیٰ کے حضور اور احتیاط اور اقامتِ حد میں خود کی پوری طرح حفاظت . . . . اس وجہ سے کہ ان باتوں کے لئے فرمایا اور حکم دیا گیا ہے کہ یہ امور صاحب شریعت کی نیابت میں بغیر کسی زیادتی یا کمی اور افراط و تفریط کے ہونے چاہئیں (ضروری ہے) اور بعض لوگ جو اقامتِ حدود اور اجرائے احکام میں حد اعتدال سے

تجاوز کرتے اور بڑھ جاتے ہیں۔ اہلِ خصوص اور اربابِ کمال سے جن کا تعلق جنابِ حق سے ہے اور جو درگاہِ الٰہی کے مقربین میں سے ہیں وہ نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ اس کے بعد تلافی اور علاج ممکن نہیں ہوتا۔ اور یہ نقصان اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ حق کو قائم کرتے ہیں بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ حق سے تجاوز اور معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اقامتِ حد مرتبہ خصوص اور رتبہ ولایت کے منافی نہیں ہے تا وقتے کہ فسق اور ضد اور اپنی بات پر اڑے رہنے کی حد تک نہ ہو:۔ لَا تَلْعَنْهُ فَاِنَّهٗ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (یعنی اس پر لعنت مت کرو کیونکہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔) —— اسی وجہ سے حضرت شیخ شبلیؒ نے حلاجؒ[1] کے قتل کا فتویٰ دیدیا تھا اور جریریؒ نے اس کے یعنی

---

[1] حسین بن منصور حلاج کی کنیت ابو المغیث تھی۔ طبری نے لکھا ہے کہ منصور کا عرف الحلاج اور کنیت ابو محمد مشہور ہے۔ ایران کے شہر بیضا کا رہنے والا تھا۔ اس کے مسلک و مذہب کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعد والوں نے اس کے عقائد کی حسین توجیہات کی ہیں اور اس کو صاحبِ سکر اور بحرِ معرفت کا بنا کر اولیاء کبار میں شامل کر دیا ہے لیکن اس کے زمانے میں لوگوں نے اسے گمراہ بتایا اور حکومت نے شریعت کی خلاف ورزی کے جرم میں اس پر مقدمہ چلایا۔ علماء نے متفقہ طور پر اس کو گردن زدنی قرار دیا۔ چنانچہ ۲۴ ذیقعدہ ۳۰۹ھ / ۹۲۲ء منگل کے دن اس کو بغداد میں قتل کر دیا گیا۔

بہر حال منصور حلاج کے متعلق کافی اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے گمراہ کہا ہے بعض حضرات نے اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے۔ بہت سے ایسے بھی جنھوں نے خاموشی اختیار کی ہے۔ واللہ اعلم

حلاج قدس سرہ کے مارنے اور قید کو طول دینے کا حکم دیا تھا۔ (حلاج) نے کہا کہ" مسلمانوں کے لئے کوئی کام اس کے قتل سے زیادہ اہم اور مصلحت سے نزدیک تر نہیں ہے تاکہ دین کی نصیحت کا حق اور اس کے دائرہ کی پاکی و پاکیزگی زندیقوں اور ملحدوں کے دعووں سے محفوظ رہیں۔ اس لئے نہیں کہ اُس سے اپنی برتری کا اقرار کرایا جائے اور اس کے قتل میں اعانت کی جائے۔ واللہ اعلم

قاعدہ ۸

انبیاء علیہم السلام کے سوا ہر شخص میں بشری کمزوری ہوتی ہیں	کمال مطلق کا اعتقاد کہ جس میں کوئی نقص اور کمی راہ نہ پائے انکار اور تنقیص کو مستلزم ہے

یہ خیال کرکے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ کسی شخص پر بھی کمال مطلق کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے۔ اس لئے کہ آدمی بشریت کے نقص سے خالی نہیں ہوتا۔ اور معصوم ہونا صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے، ولایت کی شرط نہیں ہے ایسی خطا اور معصیت کا وجود کہ جس پر نہ اصرار کیا جائے اور نہ مبالغہ مرتب ہو قرب اور درجۂ ولایت کے منافی نہیں ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا: هَلْ يَزْنِي الْعَارِفُ؟ (یعنی: کیا عارف زنا کرتا ہے؟) آپ تھوڑی دیر سر لٹکائے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (یعنی: اللہ تعالیٰ کے جتنے کام ہیں ایک امر تقدیری ہیں) یعنی اگر سابقہ ازل اور تقدیر الٰہی

اسی طرح ہوتی ہے کہ اس سے یہ گناہ سرزد ہو تو اس کے لئے کیا چارۂ کار ہے۔ ص ۲۳
صرف یہی ہے کہ توبہ اور انابت کے ذریعہ اس سے رجوع کیا جائے۔ بندہ کی ہلاکت خطا و معصیت میں نہیں ہے بلکہ توبہ اور رجوع کے ترک میں ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کے حالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ اور شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری[1] صاحب کتاب الحکم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ سوال کریں کہ اَتَتَعَلَّقُ هِمَّةُ الْعَارِفِ بِغَيْرِ اللّٰهِ (یعنی: کیا عارف، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے تعلق رکھتا ہے) انھوں نے جواب دیا "کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی معرفت ولایت کے منافی اور متناقض ہے۔ اگر توجہ کسی غیر حق کی طرف ہو جائے تو معرفت نہیں ہوگی نہ وہ شخص عارف رہے گا۔ واللہ اعلم

قاعدہ ۹

کیا فتنہ کے خوف سے ارتکاب جرم کر سکتا ہے؟	

ایسی مکروہ و مباح چیزوں کے دور کرنے کی غرض سے جن میں فتنہ کا خوف اور آفت کا گمان ہو، ارتکاب جرم کرنا جب تک کہ ان کے واقع ہونے کا پورا یقین نہ ہو جائز نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس خیال سے

---

[1] احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطاء اللہ الاسکندری الجذامی الشاذلی معروف بہ ابن عطاء اللہ الاسکندری علوم ظاہری و باطنی میں درجۂ کمال پر فائز تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، نحو اور اصول میں کافی درک تھا۔ طریقۂ شاذلیہ میں منسلک تھے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ سے مخالفت تھی۔ ماہ جمادی الاخری ۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء قاہرہ میں انتقال ہوا۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

Marfat.com

کہ گمنامی کی زندگی بسر کرے اور لوگوں کی نظروں میں خود کو گرادے اور غیر شرعی باتیں اور کھیل کود اختیار کرے تو اگر اس (فعل) کی حرمت علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر مختلف فیہ ہے تو صحیح ہے اور اس میں چنداں حرج اور دشواری نہیں۔ اور اگر اہل تجرید و معرفت کے نزدیک کسی بہتر مصلحت اور غرض کی بنا پر ہو تو اس میں جواز کی صورت نکلتی ہے۔ اس میں بھی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ راجح کے خلاف اور اس شخص کے مذہب کے فتوے کے جن کی تقلید اور جن کا اتباع کیا جا رہا ہے برعکس نہ پڑے۔ دوسری شرط یہ کہ دونوں طرف قوی اختلاف ہو۔ صرف قول غریب اور مذہب ضعیف کے مطابق عمل نہ کیا جاتا ہو۔ اس موقعہ پر وہ صوفیہ جو غلو سے کام لیتے ہیں اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور اس مصلحت پر کہ جو نفس کے خلاف سوچی ہے تھوڑی بات پر ہی قناعت کر لیتے ہیں اور ان حکایتوں سے جو ارباب احوال کی منقول ہوئی ہیں تمسک کرتے ہیں۔ لیکن محقق اس سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حمام کے چور کے قصہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں کہ اس مرد عارف نے چوری کی جو شرع شریف میں بالاتفاق فعل حرام ہے یہاں تک کہ لوگوں کی نظر سے گر گیا اور خلق کی بھیڑ بھاڑ اور عوام کے ہجوم سے چھٹکارہ پا گیا اور حمام کے چور کا قصہ یہ ہے کہ مشائخ میں سے کوئی ایک شیخ جو اپنے زہد و صلاح کی وجہ سے مشہور اور اپنے زمانے کے لوگوں کا مرجع جب انھوں نے اپنی جانب خلق کو اس قدر رجوع کرتے اور اتنی تعظیم و تکریم دیکھا تو ان کو اپنے سر سے ہٹانا چاہا۔ انھوں نے ایک حیلہ سے کام لیا تا

لوگ ان کے گرویدہ آئیں (وہ یہ کہ) ایک حمام میں پہنچے اور وہاں سے ایک شخص کے کپڑے اٹھائے انھیں پہنا اور راستہ پر آکر کھڑے ہوگئے۔ جس شخص کے کپڑے تھے جب وہ حمام سے باہر آیا اور اپنے کپڑوں کو تلاش کرنے لگا تو آخر اپنے کپڑے ان صاحب کو پہنے ہوئے دیکھا تو اسی وقت پکڑ لیا اور (خوب) مارا اور توہین کی یہاں تک کہ شہر کے تمام لوگوں کے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ شیخ نے چوری کی ہے سب کا اعتقاد ان پر سے جاتا رہا اور دوسری مرتبہ پھر کوئی ان کے پاس نہ آیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کپڑوں کا اٹھالے جانا اور ان کو پہن لینا نہ اس قسم کا سرقہ ہے جو شرع میں بالاتفاق حرام ہے اور حد کا مستوجب ہے حقیقت میں سرقہ یہ ہے کہ حفاظت کی جگہ پر رکھے ہوئے مال کو خفیہ طریقہ پر اٹھایا جائے۔ اور حمام حفاظت کی جگہ میں داخل نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بغیر اجازت دوسرے کے مال میں تصرف کیا گیا۔ اس لئے کہ کپڑوں یا اسی قسم کی دوسری چیزوں میں مسامحت بہت چلتی ہے۔ اگر کوئی شخص مسلمانوں کے کپڑے کسی اعتقاد یا مسامحت یا حسن خلق پر اعتماد کے سبب اٹھالے اور پہن لے تو کیا ظلم ہوتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر اجازت لے لے تو مناسب ہے (تاہم جس طرح بھی ہو فعل مکروہ ہوگا اس کو حرام نہیں کہا جائیگا پھر آپ اس بارے میں کیا کہیں گے کہ حضرت بایزید[1] بسطامی قدس سرہ

---

[1] آپ کا نام طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان اور لقب سلطان العارفین ہے۔ آپ کے دادا پہلے آتش پرست تھے پھر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ حضرت بایزید کا وطن بسطام تھا اسی کی نسبت ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

ھ۵ کا ایک مرید اُن کی خدمت میں آیا اور اس نے راستہ کی تکلیف اور اپنے کام کی مشکلات کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "کام آسان ہے۔ اگر تو ایک درہم خرچ کردے تو ابھی مقصد حاصل کرلے۔ اخروٹ خرید۔ ان کو ایک توبرے میں ڈال اور توبرے کو اپنی گردن میں لٹکا۔ ڈاڑھی کو مونڈ ڈال اور اکابر و معارف کے پاس اور ان مقامات پر جا جہاں تیرے معتقد رہتے ہیں۔ لڑکوں کو جمع کر اور ان سے کہہ کہ جو لڑکا میری گردن پر ایک تھپڑ مارے گا اس کو ایک اخروٹ دوں گا۔ اگر تو یہ کام کر گذرا تو راستہ کی آفات سے چھوٹ جائے گا اور اپنے مقصد پر پہنچ جائے گا۔" مرید نے کہا "سبحان اللہ۔ کیا میری طرح کا کوئی آدمی ایسا کام کرتا ہے؟" فرمایا "یہ سبحان اللہ جو تو نے کہا ہے تیرے تنزیہ اور تقدیس کے لئے تھا۔ نہ ذکر و تسبیح حق کے لئے۔ لہٰذا یہاں سے چلدے کہ تیرا اس درگاہ میں کوئی کام نہیں۔"

جواب یہ ہے کہ حضرت سلطان بایزید بسطامی قدس سرہ کی یہ بات حقیقتِ امر میں نہیں تھی اور نہ واقع ہوئی۔ بلکہ صرف اس شخص کے امتحان اختیار اور حالت کی آزمائش کے لئے تھی کہ کس حد تک وہ شخص اپنے اوپر اعتماد رکھتا ہے ــــ لیکن اس کی کیا صورت ہوتی ہے کہ جو اس فعل کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) بسطامی مشہور ہوئے۔ آپ نے فیضِ روحانی حضرت جعفر صادقؓ، ابو حفصؒ، یحییٰ بن معاذؒ اور شفیق بلخیؒ وغیرہم سے حاصل کیا۔ بعد میں خود ایک طریقہ کے بانی ہوئے۔ یہ طریقہ طیفوریہ کہلاتا ہے۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے سنہ وفات ۲۳۴ھ ۸۴۹ء بتایا ہے۔

Marfat.com

حکم دیتے ہیں اور اس کو عمل میں بھی لے آتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ تمام علمائے شریعت اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی شخص کے حلق میں لقمہ اٹک جائے اور پانی موجود نہ ہو اور قریب المرگ ہو کر ہلاک ہو جائے تو مناسب ہے کہ شراب کا گھونٹ اس غرض سے پی جائے کہ وہ لقمہ حلق سے اتر جائے۔ اور یہ اس وقت ہے کہ شراب کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ اور جہاں یہ ہے کہ حیاتِ دنیوی کو جو فنا ہونے والی ہے محفوظ رکھنے کے سبب بھی حرام چیز جائز ہو جاتی ہے تو پھر طاعت میں خلوص پیدا کرنے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے جبکہ یہ حیات ابدی کا بھی سبب ہے کیوں درست نہ ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غصّ لقمہ (لقمہ کو دانت سے کاٹنے) کے اس مسئلہ پر قیاس درست نہیں ہے کیونکہ یہاں شراب کے گھونٹ کو ترک کرنے سے زندگی کی جڑ کٹ جاتی ہے کہ جس پر وجود و بقا کا دارومدار ہے اور تمام کمالات کی تحصیل بھی اسی پر موقوف ہے۔ اعانت قتلِ نفس ایک ایسی چیز ہے جو شرع
ص۷۶ میں بالاتفاق حرام ہے۔ اور جاہ اور شہرت شرعی طور پر حرام نہیں۔ اس کے وجود سے کمال کی زیادتی ہوتی ہے۔ یہ بھی اس فعل سے متیقن نہیں ہے۔ اور وہ افعال و حرکات جو ملامتیہ فرقہ کے محققین کرتے ہیں دوسرے ہیں۔ وہاں شرعی طور پر حرام اور مکروہ چیزوں کا ارتکاب نہیں ہے۔

اس کا خلاصہ تو صرف یہ ہے کہ عبادات کو چھپایا جائے اور بعض ایسی عادتوں کا اظہار ہو جو ظاہر میں عیب معلوم ہوتی ہوں اور حقیقتِ حال پر مطلع

ہونے سے پہلے نامشروعات ظاہر ہوں کیونکہ ملامتیہ فرقہ کا مقصد اور ان کی نیت نفس سے فرار اور اس کی نگہداشت ہے، نہ کہ حال کو خلق سے چھپانا، اور اخفا کا قصد خلق کی نظر میں ان کی تعظیم معلوم ہوتا ہے۔ پھر وہی بات لازم آئی کہ اس سے دور رہا جائے۔ اور حقیقت میں اس حال کا حصول خصوصاً اس صوفی کے لئے ہے جو اصطلاحِ مشہور میں فرقہ ملامتیہ میں اکمل و اتم ہے اور اس کی نظر خلق سے پوری طرح ہٹ جاتی ہے۔ فعلاً بھی ترکاً بھی وجوداً بھی اور عدماً بھی۔ چنانچہ ابو العباس[۱] المرسی رضی اللہ عنہ نے کہا: مَنْ اَرَادَ الظُّهُوْرَ فَهُوَ عَبْدُ الظُّهُوْرِ وَمَنْ اَرَادَ الْخِفَاءَ فَهُوَ عَبْدُ الْخِفَاءِ وَعَبْدُ اللّٰهِ سَوَاءٌ عَلَيْهِ اَظْهَرَهٗ اَوْ اَخْفٰى (یعنی: جس کسی نے ظہور کا ارادہ کیا وہ بندۂ ظہور ہے اور جس نے خفا کا قصد کیا وہ بندۂ خفا ہے۔ لیکن خدا کا بندہ وہ ہے جس کے لئے ظہور اور اخفا دونوں برابر ہیں) واللہ اعلم

قاعدہ ۱۰

مقصودِ اصلی حق کی موافقت ہے

اصل مقصود تو حق کی موافقت ہے نفس کی مخالفت نہیں۔ اگر نفس حق کے ساتھ موافقت کرتا ہے تو وہ شریعت کا تابع ہوتا ہے اور اس لئے اتم و اکمل ہے: حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ (یہاں تک کہ اس کی ہوائے نفس تابع ہو جائے اس چیز کی جو میں اس کے لئے (دین و شریعت کے اعتبار سے) لایا ہوں۔) اسی کی طرف اشارہ ہے

---

[۱] پورا نام احمد بن محمد الصناجی الاندلسی ہے۔ اندلس کے شہر مرسیہ کی نسبت سے شیخ ابو العباس المرسی کہلاتے ہیں۔ باپ کا نام عرلیف تھا۔ ابو العباس ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے مریدوں اور معتقدوں کی تعداد بہت تھی۔ ۵۳۶ھ / ۱۱۴۲ء میں مراکش میں آپ کا انتقال ہوا۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ اِذَا وَافَقَ الْهَوٰی الْحَقَّ فَذٰلِكَ تَشْبِیْهٌ بِالزُّبْدِ (یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: جب نفس نے حق کے ساتھ موافقت کرلی تو اس میں وہ لذت پیدا ہوگئی جو مسکہ میں شہد کے مل جانے سے اور دودھ میں شکر کے گھل جانے سے ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے میں گھل مل جاتے ہیں ——— مثلاً اگر کسی شخص کو اس کے ماں باپ حلوا کھانے کا حکم دیں اور جو کی روٹی کھانے سے منع کریں۔ تو اس کے لئے یہ حلوا کھانا اور اس سے لذت حاصل کرنا زیادہ بہتر اور نفع بخش ہوگا جو کی روٹی کھانے ۔۔۔ اور ترک لذت کرنے سے۔

ایک دوسرا گروہ نفس کی مخالفت کرتا اور اس کے خلاف کرنے میں اتنا مبالغہ کرتا اور ایسا اغراق دکھاتا ہے کہ ان پیچیدگیوں کے سبب حق کی مخالفت ہونے لگتی ہے۔ متعدد طاعات وعبادات کے فوت ہونے کا سبب پیدا ہوجاتا ہے اور بعض وہ سنن ونوافل بھی کہ نفس کو جن سے لگاؤ اور جن کی عادت ہوجاتی ہے ترک ہوجاتی ہیں۔ اگرچہ یہ بھی نفس کے علاج کے باب میں نافع ہے اور اس کا اثر ہوتا ہے۔ تاہم اس طریق کا سلوک تمام جدوجہد کو باطل کردیتا ہے۔ اور اس طریق پر چلنے والے کو مقصود کی مخالف راہ پر لے جاتا ہے۔

مشائخ شاذلیہ[1] کا طریق یہ ہے کہ وہ طالبوں کی ہدایت اور مریدوں کی تربیت ان کی طبیعت کے موافق اور ان کے رفق وراحت کا خیال رکھتے ہوئے کرتے ہیں اور فوری طور پر ان کی پہلی حالت سے زور زبردستی کرکے نہیں نکالتے نیز مجاہدہ اور ریاضت میں ان پر کسی قسم کی سختی نہیں برتتے۔ بلکہ ان اوراد

---

[1] یہ تصوف کا ایک سلسلہ ہے جس کی نسبت یمن کے مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی سے ہے۔

اشغال سے جو طالب کے ترمِ طبیعت اور مزاج کے موافق ہوں راہ دکھاتے اور مشغول رکھتے ہیں۔ اور مہربانی اور آرام اور رفتہ رفتہ مزید آسانی کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچا دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کوئی اس راہ میں اپنا سفر طبیعت کے موافق اور اپنے مرغوب طریقے سے کرتا ہے، درگاہِ حق تک اس کی رسائی سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔ اور جو کوئی حرکتِ طبیعی کے خلاف چلتا ہے اس کے فاصلے کے اندازہ میں طبیعت سے ناموافقت کی وجہ سے اس کی سیر زیادہ آہستہ اور اس کی رسائی دشوار ہو جاتی ہے۔

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری[1] صاحب کتاب الحکم تاج العروس میں یہ کہتے ہیں:۔ لَا تَأْخُذْ مِنَ الْأَذْكَارِ إِلَّا مَا يُعِينُكَ الْقُوَى النَّفْسَانِيَّةُ عَلَيْهِ بِحُبِّهِ (یعنی کوئی ذکر اختیار نہ کر سوائے اس ذکر کے جس میں نفسانی قوتیں خدا کی محبت میں تیری مدد کریں)۔

۵۳ اور قطب وقت شیخ ابوالحسن شاذلی[2] جو شاذلیہ سلسلہ کے امام اور منتہا ہیں فرماتے ہیں: اَلشَّيْخُ مَنْ دَلَّكَ عَلٰى رَاحَتِكَ (یعنی شیخ وہ ہے جو تیری راحت کی جانب تیری رہنمائی کرے) (یعنی تجھے مجاہدہ اور ریاضت کا حکم نہ کرے) اور اس حدیث کے معنی کے بیان میں کہ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا (یعنی آسان کرو دشوار نہ بناؤ) فرمایا ہے یعنی

---

[1] اصل نام علی بن عبداللہ ہے۔ سلسلہ نسب حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملتا ہے۔ آپ کا قیام ایک طویل عرصہ تک شہر اسکندریہ میں رہا۔ وہاں بے شمار لوگ آپ سے رجوع کرتے تھے۔ آپ اولیائے عظام اور مشائخ کبار میں سے ہیں۔ دعائے حزب البحر جو اولیاء اللہ میں بے حد مقبول رہی ہے آپ ہی سے منسوب ہے۔ ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں یمن میں وصال ہوا۔ مزار یمن کے شہر مخہ میں ہے جو اپنی قہوہ کی پیداوار کے لئے مشہور ہے۔

دُلُّوهُمْ عَلَى اللهِ وَلَا تَدُلُّوهُمْ عَلَى غَيْرِهِ فَإِنَّ مَنْ دَلَّكَ عَلَى الدُّنْيَا فَقَدْ غَشَّكَ وَمَنْ دَلَّكَ عَلَى الْعَمَلِ فَقَدْ أَتْعَبَكَ وَمَنْ دَلَّكَ عَلَى اللهِ فَقَدْ نَصَحَكَ (یعنی: جس کسی نے تیری رہنمائی دنیا کی طرف کی اس نے تیرے حق میں خیانت کی اور جس کسی نے تجھ کو مجاہدہ اور ریاضت کی شدت میں پھنسایا تو تجھے سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا۔ اور جس کسی نے تجھے خدا کا راستہ دکھایا وہی حقیقت میں تیرا ناصح اور خیر خواہ ہے) واللہ اعلم

قاعدہ ۱۱

الفاظ کی نگہبانی اور معانی کا ضبط دونوں ضروری ہیں

جس طرح لفظ میں معنی کی رعایت لازم ہے اور لفظ کا قالب معنی کی روح کے بغیر صحیح اور معتبر نہیں ہوتا۔ اسی طرح لفظ میں ایسی رعائتیں ہونا ضروری ہیں جو معنی کو سننے والے کے ذہن میں اتار دیں اور اس کے فہم پر اس کی وضاحت اور اظہار کر دیں۔ پہلے معنی کی صحت اور دل میں اس کا ربط و ضبط تلاش کرنا چاہیئے اس کے بعد زبان کی نگہبانی اور اس کی ادائیگی میں اس کی حفاظت کرنی چاہیئے تاکہ بیان مقصود لفظاً اور معناً تمام ہو جائے اور اشکال و ابہام سے خالی رہے۔ کیونکہ معنی کے ضبط کے بغیر گمراہی لازم آتی ہے اور لفظ کی نگہبانی کے بغیر بے راہ روی ضروری ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محققین کامل اس وجہ سے کہ لفظ اور عبارت میں نقص ہے معنی مقصود کی ادائیگی اور حقیقت کے بیان میں ابہام اور اشتباہ کی وجہ سلیم کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ اور ظاہر بین اور عبارت پرستوں کے نزدیک کفر، بدعت، فسق کے ساتھ منسوب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو کچھ خصوصیت سے اس گروہ کو بالخصوص ان کے متاخرین کو پیش آیا

اس میں سے اکثر اسی قبیل کا ہوگا۔ کبھی عام رہ گذر سے اشخاص اور واقعات کا ضرر بھی لازم آتا ہے یہاں تک کہ ایک شخص سے اسی کے معنی معتبر و مقبول قرار ص۷۹
پاتے ہیں اور دوسرا ان کو منکر و مردود قرار دیتا ہے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ لفظ اور معنی کے اتحاد کے باوجود ایک ہی شخص سے ایک وقت میں مستحسن اور دوسرے وقت میں مردود ہو جاتے ہیں۔ جس طرح متکلم کے حال کے بدل جانے سے حکم میں اختلاف ہو جاتا ہے اسی طرح سامع کا حال ہے: حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ أَتُرِيدُونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ (یعنی: لوگوں سے اس انداز کے ساتھ بات کرو جس کو وہ پہچانتے ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور رسول کو جھٹلائیں۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حضرت جنید قدس سرہ کے بارے میں روایت ہے کہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے ہر ایک کو جواب مختلف دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا، یہ کیا بات ہے آخر ایک مسئلہ کا حکم تو ایک ہی ہے فرمایا اَلْجَوَابُ عَلٰی قَدْرِ السَّائِلِ (یعنی جواب سائل کے فہم کے مطابق ہوتا ہے) جیسا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أُمِرْنَا أَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُولِهِمْ (یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو) واللہ اعلم

قاعدہ ۱۲۰

ہر بات کتاب و سنت کی روشنی میں کی جائے

حقیقت کو پرکھنے کے سلسلہ میں نظر کو کوتاہ کر لینا طریقت کی اصلیت کو سمجھنے میں مخل ہوتا ہے اور اسی سبب سے واضح شریعت کی روشنی میں

Marfat.com

ایک گروہ کے طامات اور شطحیات پر اعتراض وارد کرنے کا موجب اور ان کے انکار کا سبب ہوتا ہے۔ پس قول میں احتیاط واجب ہے تاکہ کتاب وسنت کے علاوہ کسی جگہ سے کوئی بات نہ لیں اور الفاظ میں تحفظ کریں تاکہ بیان مقصود غیر واضح اور مبہم نہ رہے سوائے منکر کے کہ اصل میں مستند ہے اور جس کی وجہ واضح ہے وہاں تو مجبوری ہے اور اس لئے عتاب اور ملامت کا محل نہیں۔

ابو سلیمان[1] دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی گروہ کے کلام سے کوئی نکتہ میرے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اور ایک مدت تک میں اسی پر غور کرتا رہتا ہوں۔ ہر چند کہ وہ نکتہ اپنے حسن لطافت کے اقتضا سے زبانِ حال سے فریاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے قبول کر لیکن میں اسے قبول نہیں کرتا۔ سوائے اس کے جس پر قرآن وسنت شاہد ہوتے ہیں۔ ۸۰

ہر صوفی خلق کے ساتھ حقیقت بیان کرنے پر مامور و مشروع نہیں ہوتا۔ اور توجیہ صرف حقیقت کو جانچنے میں ظاہر کرتا ہے۔ اور ملاحظہ اور اعتبار کی نظر سنت و شریعت الٰہی پر جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائے ہیں اور جن کا حکم فرمایا ہے، نہیں پڑتی۔ البتہ اعمال یا شطح در احوال یا ابہام اور اشکال واقوال میں غلط راہ پلنے۔ سے محفوظ نہیں رہتی اور اس طرح یا خود ہلاک

---

[1] آپ کا نام عبد الرحمن اور والد بزرگوار احمد بن عطیہ تھے۔ دمشق کے نواحی دیہات میں ایک قریہ دارا ہے اسی کی نسبت سے آپ دارانی کہلاتے ہیں۔ شام کے مشائخ متقدمین میں آپ کا شمار ہے۔ زہد و تقوی میں یکتا اور پیشوا سمجھے جاتے تھے۔ آپ سے کسی نے معرفت کی حقیقت پوچھی تو آپ نے نہایت مختصر الفاظ میں جواب دیا کہ "معرفت یہ ہے کہ بجز ایک کے دل میں کسی دوسرے کی طلب نہ ہو" وفات ۲۱۵ھ / ۸۳۰ء اور مزار موضع دارا میں ہے۔

ہوجاتی ہے یا دوسروں کو ہلاک کردیتی ہے یا دونوں کا یہی انجام ہوتا ہے
قَالَ بَعْضُ الْعَارِفِيْنَ مَنْ عَامَلَ الْحَقَّ بِالْحَقِيْقَةِ وَالْخَلْقَ بِالشَّرِيْعَةِ فَهُوَ صِدِّيْقٌ وَمَنْ عَامَلَ الْحَقَّ بِالشَّرِيْعَةِ وَالْخَلْقَ بِالْحَقِيْقَةِ فَهُوَ زِنْدِيْقٌ وَمَنْ عَامَلَ الْحَقَّ بِالشَّرِيْعَةِ وَالْخَلْقَ بِالشَّرِيْعَةِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ سُنِّيٌّ (یعنی: بعض عارفوں نے کہا جس نے خدا کے ساتھ معاملہ حقیقت کی روشنی میں کیا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ شریعت کی روشنی میں وہ صدیق ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریعت کا اور مخلوق کے ساتھ حقیقت کا معاملہ کیا وہ زندیق ہے اور جس نے معاملہ خدا کے ساتھ شریعت کا اور مخلوق کے ساتھ شریعت کا کیا وہ مومن سنّی ہے) واللہ اعلم

قاعدہ ۱۳

اشتباہ کے موقع پر توقف مناسب ہے

ایسے اشکال اور اشتباہ کے موقع پر توقف کرنا کہ جہاں دلیل یقینی نہ ہو محمود ہے۔ اور مقام یقین کہ جہاں دلیل قاطع اور واضح ہی مذموم۔ اس طریقے کا مبنیٰ اور مدار حسن ظن اور اس کی ترجیح ان چند دلیلوں پر ہے جو اس کے پاس اس دلیل کی مخالف و معارض ہیں۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ ہزار کافروں کا اسلام کے شبہ میں کفر سے خارج ہوجانا صحیح ہے نہ ایک مومن کا کفر کے شبہ میں ایمان سے خارج ہوجانا۔ درحقیقت اہل قبلہ کی عدم تکفیر کی بنیاد بھی اسی نکتہ پر ہے۔ ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ جزم جو اجتہاد کا موردی اور دلیل ظاہر کا مقتضی ہے قبول اور انکار سے واجب اور

لازم ہے۔ کام کی غرض وغایت امرالٰہی سے باطن کے کام کی تفویض ہے اور اسی سے صوفیہ کی جماعت میں ہر دم اختلاف رونما ہوتا ہے کیونکہ ان صوفیہ سے مشتبہات اور وہم فعلاً اور قولاً ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک فرقہ انکار کے راستہ پر جاتا ہے اور دوسرا گروہ مقام توقف اختیار کرتا ہے اور حقیقت ط۸۱
اور انصاف کی نظر میں دونوں گروہ اس مقتضا کے سبب جو ان کو دکھائی دیتا یا ظاہر ہوتا ہے صحیح ہیں۔

مشائخ طریقت میں سے کسی سے لوگوں نے پوچھا "ابن عربیؒ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ یعنی شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے بارے میں کچھ لوگوں کے درمیان نزاع اور اختلاف ہے آپ کا کیا خیال ہے اور آپ کیا اعتقاد رکھتے ہیں" انھوں نے جواب دیا: ھُوَ اَعْرَفُ بِکُلِّ فَنٍّ مِنْ اَھْلِ کُلِّ فَنٍّ (وہ ہر علم میں ہر علم و فن کے آدمیوں سے زیادہ عالم اور زیادہ ماہر تھے)۔ لوگوں نے کہا "ہم آپ سے اس باب میں نہیں پوچھتے کہ ان کو کسقدر علم و مہارت اور برتری تھی۔ سوال ان کے اعتقاد اور انکار کے بارے میں ہے یعنی ایمان، اتباع اور ہدایت کے بارے میں"۔ فرمایا: اُخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْکُفْرِ اِلَی الْقُطْبَانِیَّۃِ۔ اگر آپ اس بارے میں پوچھتے ہیں تو ان کے متعلق لوگوں کے درمیان اختلاف ہے جو کفر سے شروع ہو کر قطبیت کی حد تک پہنچتا ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے جو انھیں کافر سمجھتی ہے دوسری ان کو قطب گردانتی ہے۔" لوگوں نے کہا "پھر آپ کس طرف ہیں اور آپ کے نزدیک کونسی بات واضح ہے۔" فرمایا "اَسْلِمْ تَسْلَمْ (اسلام اختیار کرو سلامت رہو گے) میرا مذہب تسلیم ہے اور سلامتی تسلیم کے

Marfat.com

اختیار اور غلو کے ترک کرنے میں ہے۔ اور زیادتی انکار کرنے یا حد سے زیادہ اعتقاد رکھنے میں۔ اس لئے کہ تکفیر میں سراسر خطرہ ہے اور تعظیم میں مبالغہ بھی اپنے اندر ضرر کا احتمال رکھتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ عوام الناس ان کی ان مبہم وموہوم باتوں کا اتباع کرنے لگیں۔ اور مقصد کے کنہ و حقیقت سے عدم واقفیت کی بنا پر کسی دوسری ہی راہ پر جا پڑیں۔ واللہ اعلم

قاعدہ ۱۴۷

پانچ چیزیں جن چیزوں کو حاصل کیا جائے وہ پانچ ہیں۔ اول چیز اُن کے علوئے مرتبہ، رفعتِ شان، صفوتِ حال اور بلاحظہ کمال پر نظر رکھنا کہ جب رخصت سے تعلق قائم کریں۔ یا آداب میں سے کسی ادب میں محتاجی دکھائیں۔ یا امورِ دین میں سے کسی امر میں سہل انکاری سے کام لیں ۸۲
یا صفاتِ نقص میں سے کسی صفت سے متصف ہوں تو اعتراض کرنا ضروری اور انکار کرنا لازمی ہوتا ہے۔ جو چیز جتنی زیادہ لطیف اور پاکیزہ ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ اس کا عیب اور نقص واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ سفید کپڑے میں اگر ایک سیاہ نقطہ پڑ جائے تو وہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی باتوں کے دفع کرنے کے دو طریقے ہیں۔ اول یہ بات سمجھ لیں کہ کسی شخص میں بھی خالص کمال ثابت نہیں ہے اور کوئی شخص بھی بشریت کے نقص سے خالی نہیں، عصمت صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور لغزش بلکہ خطا اور گناہ جس میں اصرار اور ہمیشگی نہ ہو کمال کے مرتبہ اور ولایت کے درجہ کے منافی نہیں ہے چنانچہ پچھلے قاعدوں میں اس پر گفتگو کی جا چکی ہے۔

Marfat.com

دوم یہ کہ اس گروہ پر اعتراض وانکار کی وجہ ان کے علوم کی دقت اور اشارات کی لطافت ہیں جو ہر شخص کی سمجھ میں جلدی نہیں آتے۔ درحقیقت سب سے زیادہ شریف اور سب سے زیادہ دقیق ولطیف علم تصوف ہے کہ اس کی بنیاد کتاب وسنت، ذوق صحیح اور کشف صریح پر ہے چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ لَوْ کَانَ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ عِلْمٌ اَشْرَفَ مِنْ عِلْمِنَا هٰذَا لَرَحَلْتُ عَلٰی شَرَفِ هٰذَا الْعِلْمِ۔ یعنی اگر اس نیلگوں آسمان کے نیچے کوئی دوسرا علم اس علم سے زیادہ شریف ہوتا کہ جس میں ہم اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتے ہیں تو ہم اس کے لئے کوشش کرتے اور اس کی طلب میں دوڑتے۔ ہر علم کا یہ وصف ہے کہ وہ طبیعت کی تیزی، عقل کی قوت، افہام وتفہیم اور بحث ومباحثہ کی مدد سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ مگر یہ علم ایسا ہے کہ اس میں فطرت کی سلامتی، مزاج کی درستی فہم کی تیزی کے علاوہ نفس کی ریاضت، باطن کی صفائی اور ماسوی اللہ سے دل کا پوری طرح خالی ہونا بھی شرط ہے۔ پس انکار کا سبب اصل میں فہم کا قصور، استعداد کی کمی، حوصلہ کی تنگی، معرفت کا نہ ہونا اور ۹۳
ایمان کا ضعف ہے۔ پھر بھی منکر اگر تورع، خوف حذر، یکسوئی اور سلامتی کی راہ چلتا ہے تو اس پر زیادہ الزام عاید نہیں ہوتا۔ تاہم طریقوں میں سے انصاف پر مبنی توقف اور تسلیم کا طریقہ ہے۔

سوم: اسباب انکار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تصوف کے مدعیوں کی کثرت ہو گئی ہے۔ اور جھوٹے بناوٹی اور ریاکار اس گروہ میں داخل ہو گئے

کہ وہ غرض کے بندے اور بدلے کے خواہشمند ہیں۔ پس اس یکسانیت کی وجہ سے اگر محققوں میں سے کوئی ایک حق کا دعوی کرے تو ظاہر بینوں کی نظر میں وہ جھوٹے مدعیوں کی طرح نظر آتا ہے۔ یہاں ایسی کوئی دلیل اور ثبوت ہونا چاہیے جو جھوٹے کو سچے سے الگ کردے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دلیل تو موجود ہوتی ہے لیکن دیکھنے والے میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ اس کو سمجھ سکے۔ لہذا اس موقع پر توقف اور تامل بہتر ہے۔

چہارم:- عام لوگوں کی گمراہی کا خوف، الحاد کے چکر میں جا پڑنا اور ظاہر شریعت پر اعتبار نہ کرنا ہے جیسا کہ اکثر جاہل اور گمراہ لوگوں کا مشاہدہ ہوا ہے۔ اور یہ حقیقت میں اس طریقہ کی اصل اور اس علم کے وجود کا انکار نہیں ہے۔ بلکہ ایک مصلحت کی وجہ سے اور حکمت کی بنا پر ہوتا ہے اور یہ قطعاً ایک مختلف چیز ہے۔

پنجم:- حق بات کے ماننے، اس کا اعتراف کرنے اور عدل وانصاف کے راستہ پر قائم اور ثابت قدم رہنے میں بخل کو حسب مراتب لوگوں کی سرشت میں ودیعت کردیا گیا ہے۔ چونکہ صوفیہ کا تعلق اور توجہ حقیقت کی طرف اور اظہارِ حقیقت پر ہے اور اس چیز کے غلبہ کے سبب جملہ اعتبارات باطل ہوجاتے اور مٹ جاتے ہیں اس لئے یقینی ہے کہ اپنی نیک نامی، تسخیرِ قلوب، رجوعِ خلائق اور عزت وغلبہ کی بنا پر ان کی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ایک مخصوص شان ہوتی ہے اور ان کو ایک خاص امتیاز نصیب ہوتا ہے۔ یہ بات فقہا اور علمائے ظاہر کو نصیب نہیں ہوتی۔

Marfat.com

اس لئے عام لوگوں کے دل میں ان کی طرف سے ایک گونہ جلن، رشک اور ص۸۴
حسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اہلِ کمال کی تنقیص کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک
کہ ان کے دلوں میں عزت و تعظیم کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ وَتِلْكَ
نَفْخَةُ الصُّدُوْرِ (اور یہ سینوں کا ورم کرنا ہوتا ہے) یعنی اس سے لوگوں
میں بے اعتقادی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس قسم کا شخص انکار میں معذور ہی
نہیں بلکہ محروم اور نقصان اٹھانے والا بھی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس پہلی
قسموں کے لوگ معذور بلکہ ماجور ہیں۔ اور حقیقی سبب عباد اور عرفاء کی نسبت
فقہا اور علمائے ظاہر کی اچھی شہرت قائم رہنے اور اچھے الفاظ میں ان کا
ذکر ہونے کا یہ ہے کہ تصوف اور تعبد کے غلبہ اور اللہ کی طرف توجہ سے
وہ عاری اور خالی ہوتے ہیں۔ فقیہ اپنے نفس کی صفات میں سے ایک صفت
کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اسی سے اس کو شغف رہتا ہے۔ وہ صفت اس
(فقیہ) کی عقل اور سمجھ ہے۔ اور وہ اس کی حس اور حیاتِ ظاہر کے ختم ہو جانے
سے ختم اور نابود ہو جاتی ہے اور عارف اور عابد کی نسبت پروردگار سے جو
حیّ و قیوم ہے ہوتی ہے، اور پروردگار کی صفت یہ ہے کہ وہ ازل سے ابد
تک باقی ہے۔ پھر وہ کیسے مر سکتا ہے کہ جس کا تعلق بغیر علت نفس، ذات
حی لایموت کے ساتھ ہو گئی ہو ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(یعنی:- جس شخص کا دل عشق کی وجہ سے زندہ ہو گیا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ چنانچہ ہم (عاشقوں)
کا دنیا کی کتاب پر ہمیشہ نام باقی رہے گا)

اور اسی لئے مجاہد بھی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شرفِ شہادت سے سرفراز ہوا ہے
اور جب اس نے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تحقیق اور دین کا اعلان حساً و معناً کیا ہے
وہ دونوں قسم کی حیات سے کہ جو حسی و معنوی ہیں سرفراز ہو جاتا ہے: وَلَا
تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۤءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
يُرْزَقُوْنَ ○ (یعنی: اور ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں مردہ مت
سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کی طرف رزق پاتے ہیں) اور جب صلحاء کا عمل
اور اُن کی عبادت کلمۃ اللہ اور دین کی تحقیق اور اعلائے معنوی ہے حیاتِ
معنوی کے اور اس پر اقتصار کرنے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور وہ دوام اس کی
کرامت اور ذکر خیر و برکت ہے چنانچہ کہا گیا ہے ع

قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ اَحْيَاۤءٌ

(یعنی: ایک جماعت مرگئی ہے اگرچہ وہ جماعت مردوں کے درمیان زندہ ہے) واللہ اعلم

قاعدہ ۱۵ ۸۵

صوفیہ کے اقوال سے متعلق کتابوں کے مطالعہ کی شرطیں

جو کتابیں علما اور فقہا نے صوفیہ کے اقوال کے ظاہری مفہوم کے رد و انکار میں لکھی ہیں اگرچہ ان کے غلط مواقع پر استعمال سے
ڈرانے، روکنے اور حفاظت کرنے کی غرض سے ہیں اور اگرچہ ان میں نفع کا شائبہ
ہے لیکن ساتھ ہی نقصان کا بھی احتمال ہے ان سے حقیقت کا حصول اور نفع
اور فائدہ حاصل کرنا چند شرطوں کی رعایت پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ نظر کو اپنے
احوال پر مختصر کر دیجئے (زیادہ نہ جائیے) اور اس کو اپنے نفس پر انکار و مواخذہ کا

Marfat.com

سبب بنائے۔ فصاحت اور طلاقت لسانی اور مجلس آرائی کا اظہار نہ کرے اور
سالک راہ کے علاوہ کہ جو طبیعت کی ذہانت، عقل کی تیزی اور مزاج کی
سلامتی رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ کس وقت بات کی جائے۔ مقصد کی کیا نزاکت
ہے۔ صدق۔ تحقیق اور سلوک کے مقام میں ثابت قدم رہے اور ورع اور
احتیاط کے طریقوں سے موصوف ہو، کسی سے بیان نہ کرے۔ اور سادہ لوح
اور خالی الذہن مریدوں کے جو گہری عقیدت کی بنا پر کہ وہ حضرات مشائخ
سے رکھتے ہیں اور بات کو سمجھنے کی قوت نہیں رکھتے درمیان نہ لائے اور جو
اعتقاد اور ارتباط ان کو مشائخ سے ہے اس میں انھیں پریشانی اور الجھن
(پراگندگی) میں نہ ڈالے۔ اگر بفرضِ محال وعظ و نصیحت کے موقع پر کسی
بات کو جتانے یا تنبیہ کرنے کی ضرورت ہو تو ایک عام بات کے انداز میں
دخل دے یا اعتراض کرے۔ قائل کا نام نہ لے اور بیان کے سلسلہ میں اس
گروہ کی عظمت حال اور جلالتِ شان کا لحاظ کرتے ہوئے اعتراض کرے۔
اس لئے کہ اماموں کی لغزشوں کو چھپانا، بزرگوں کی خطاؤں کو پوشیدہ
رکھنا واجباتِ وقت اور اسبابِ سعادت سے ہے۔ اور دین کی نگہبانی
مملکتِ اسلام کی حفاظت اور شریعت کی مراعات اس سے زیادہ واجب
اور لازم ہیں۔ خدا کے دین پر قائم رہنے والا ماجور اور اس کی مدد کرنے والا
منصور ہے۔ حق بات کے سلسلہ میں انصاف لازم اور نفس اور خواہش
کی پیروی ممنوع ہے۔ وہ دیانت جو خواہش اور ہوا کی ساتھی ہو فاسد ہے۔
اور وہ نصیحت جس میں نفسانی غرض کی آمیزش ہو باطل ہے۔

Marfat.com

دوسری شرط۔ مشائخ کے ساتھ مضبوط اعتقاد اور حسن ظن اور ان کے دامن عزت وکمال کی طعن اور تنقیص کے غبار سے پاکی وصفائی اور حسنِ ظن کا اظہار اس طریقہ پر کہ جس بات کی تنقیص کی جا رہی ہے اس کی نسبت ان سے ممکن نہیں یا یہ کہ ان سے یہ فعل صادر نہیں ہو سکتا اور دوسرے ان کے افعال کی اس طرح تاویل کہ یہ کام جس کا ظاہر مخالف ہے در حقیقت مخالف نہیں۔ یا اگر مخالف بھی ہے تو ان سے سکر وحال اور غلبۂ وجد کی وجہ سے صادر ہو گیا۔

تیسری شرط: اس بات کا اعتقاد کہ رد وانکار کا باعث دراصل مادہ فاسد اور غلط تصورات کی روک تھام ہے تاکہ عام خلقت اور اس راہ پہ چلنے والے گمراہ نہ ہوں اور صدق وتمکن حقیقت کے مقام کی تحقیق کے بغیر ان کی تقلید اور پیروی کی راہ پر نہ چلیں کیونکہ تقلید واتباع شریعت کے ظاہری احکام میں چلتی ہے۔ احوال ومواجید اور اذواق میں نہیں۔ اور فقہا میں سے جو لوگ صوفیہ کے گروہ کے رد وانکار کی راہ پر چلتے ہیں اور جنھوں نے اس معاملہ میں سختی اور شدت سے کام لیا ہے وہ ابن جوزی ہیں جو فقہ اور حدیث کے بڑے علما میں سے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ اس کا بھی مقصد ذرائع کی روک تھام ہے۔ اس کی آرائش وزیبائش کے خیال سے اپنی کتابوں کو مشائخ کی حکایتوں اور کلمات اور ان کے افعال واقوال سے استشہاد کے ذکر میں رد وانکار کے باوجود انھوں نے ان کے بارے میں بعض موقعوں پر اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں جو ان کی مشہور تصنیف ہے چند جگہوں پر کہا ہے۔

Marfat.com

انھوں نے مبالغہ سے کام لیا ہے اور قسم کھائی ہے کہ میرا مقصد علم کا اظہار اور سنت کی تحقیق اور بدعت کے مواضع پر تنبیہ اور تحذیر (ڈرانا) ہے۔ رجال پر طعن کرنا اور اہلِ کمال کی تنقیص کرنا نہیں۔ لیکن ان کے کلام کی شدت، سختی اور لہجہ کی تیزی سے جو انھوں نے اپنی کتاب میں اختیار کیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کا انکار قوی اور ان کی نزاع معنوی ہے اور انصاف کی نظر میں یہ کتاب شیطان کے داخل ہونے اور بدعت و جہالت کے مادہ کو کاٹ ڈالنے کی معرفت میں بے نظیر ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ان کے الفاظ کی سختی، انکار کی شدت اور طعن و تشنیع میں گہرائی وحشت میں مبتلا کرنے اور تشویش میں ڈالنے والا ہے، اس لئے اربابِ نصیحت میں سے محققین نے اس کتاب کے پڑھنے اور اس کی مثالیں دینے سے منع کیا اور روکا ہے اور وصیت کی ہے کہ اس پر غور و خوض نہ کیا جائے۔ تاکہ مشائخ اور اربابِ احوال سوءِ ظن اور ان کی تنقیص میں مبتلا نہ ہوں۔ جیسا کہ اس کتاب اور اس میں مذکور مثالوں سے منع کیا ہے۔ اسی طرح اربابِ طریقت کی بعض کتابوں مثلاً فصوص اور اس کے مثل اور کتابوں پر غور کرنے سے بھی روکا ہے کہ ان میں اسرار، حقائق اور مواجید کو صریحاً بغیر توقف اور یکسوئی کے لکھ ڈالا ہے۔

چوتھی شرط جو خلاصۂ کلام اور حاصل مقصد ہے یہ ہے کہ اپنے علم کی کمی اور عقل کی کمزوری کا اعتراف کرے۔ خدا جانتا ہے کہ انھوں نے (مشائخ نے) کیا کہا ہے اور کس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کی باتوں کو انھیں کے ساتھ چھوڑے اور خود کو اور اپنے تصرف کو درمیان سے ہٹا لے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ توقف اور انکار اس بات پر کیا جاتا ہے جو اس کی سمجھ میں آ رہی ہے یا احتمال اس امر کا ہو

Marfat.com

کہ انھوں نے اس چیز کا قصد کیا ہے جو فی نفسہٖ بُری نہیں ہے۔ پس حقیقت میں انکار خود اپنے نفس پر ہوتا ہے ان پر نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ شریعت ایک واضح چیز ہے، خود اس کے موافق چل اور اسی کے مطابق کام کر۔ اور اگر تجھ سے مسئلہ شرعی پوچھا جائے تو شریعت کے حکم کے مطابق جواب دے۔ اور اگر صادقانِ راہ کے بارے میں کوئی بات آجائے تو تغافل سے کام لے اور چشم پوشی اختیار کر۔ واضح رہے کہ انکار دوری اور حرمان کا سبب ہوتا ہے اور تصدیق و اعتقاد کامیابی کا موجب ہے وَاللّٰہُ الْھَادِیْ وَمِنْہُ التَّوْفِیْقُ لِنَیْلِ الصَّوَابِ (یعنی: اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کرنے والا ہے۔ وہی توفیق دیتا ہے اور وہی صحیح بات تک پہنچاتا ہے)۔

کتاب قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعت والحقیقۃ سے قواعد کی نقل پوری ہوئی۔ چونکہ اس کتاب کی عبارتیں وقت کی مناسبت سے بیحد مختصر تھیں اس لئے اگر شرح اور وضاحت کی وجہ سے کسی کلمہ یا فقرہ کی زیادتی ہو گئی ہو تو کچھ بعید نہیں۔ لیکن کسی بات یا حکایت کی نقل میں اس اصل سے زیادتی نہیں کی گئی جو شیخ کا مقصود یا اُن کا اپنا کلام ہے سوائے بعض جگہوں کے۔ اور اگر توفیق ملی تو اس مفہوم کو دوسرے رسالوں میں بھی وقت کے تقاضہ کے مطابق کچھ اور مضمون شامل کر کے تفصیلاً دیا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ ۹۸ص

خاتمہ اب اہلِ حق کے اعتقادات کی طرف مختصر طور پر اشارہ کر کے رسالہ کو ختم کرتے ہیں تاکہ کلام کا انجام آغاز کے مطابق ہو۔ اعتقاد کی فصلیں تکملہ میں ہیں۔

اوّل: ربوبیت پر اعتقاد۔ اس اعتقاد کا خلاصہ، تنزیہ کا اثبات اور تشبیہ کی نفی ہے۔ صفاتِ کمال میں سے جو کچھ ہو اس کا اثبات اور متشابہات اور مشکلات سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کی حقیقت پر ایمان رکھنا یا حقیقت کو سونپنا کہ جس سے مراد علمِ الٰہی ہے۔ اس باب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نہایت جامع ہے۔ جب اُن سے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا) کے معنی دریافت کئے گئے تو انھوں نے فرمایا اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ غَیْرُ مَعْقُوْلٍ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَ السُّؤَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ (یعنی: استواء تو معلوم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کی کیفیت و حقیقت مجہول ہے۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے) اور شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفتوں کے بارے میں صوفیہ کا یہی مذہب ہے۔

دوم: نبوت کے درجوں پر اعتقاد رکھنا اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو ماننا اور اُن کی عصمت پر اعتقاد رکھنا اور ان کی عزت و کمال کی پاکیزگی (پر یقین رکھنا)، ہر علم، عمل اور حال سے جو کمال کے مرتبہ کے لائق نہیں ہے۔ یا جن کی تفویض مشکل یا مشتبہ ہو گئی ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ کی جانب سے ان پر عتاب یا خطاب کیا گیا ہو۔ یا کوئی بات جو عزت و کبریائی کی وجہ سے آئے، یا ان کی طرف سے جناب کبریا میں کوئی ایسی بات جو تواضع اور بندگی کے اظہار کے طور پر کہی گئی ہو، ہمیں نہیں چاہیے کہ اس میں مشارکت تلاش کریں۔ اور ان کے ادب اور ان کی بلندی شان کے منافی اور حفظِ مراتب کا

Marfat.com

۵۹ خیال رکھے بغیر کوئی بات کہیں۔ مالک کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے غلام کے لئے جو چاہے کہے۔ اور غلام کو بھی روا ہے کہ وہ عجز و مسکنت کے ساتھ جو چاہے تمسک کرے۔ کسی دوسرے کی کیا مجال ہے کہ وہ دم مارے۔ اور سید کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں مختصر اعتقاد یہ ہے، کہ کمالات اور کرامات میں سے اُن باتوں کے سوا جو مرتبۂ الوہیت کے لئے ہیں آپؐ کے لئے اور ہر بات کو مانے۔ کائناً ما کان (پھر جو کچھ ہونا ہے سو ہو) ؎

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَكِمِ

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمِ

(یعنی: اپنے نبی کے بارے میں جو دعویٰ نصاریٰ نے کیا تھا وہ چھوڑ دے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تعریف کو حکم دے جو کچھ تو چاہے اور حاکم بن۔ اور بزرگی میں جو کچھ تو چاہے (آپؐ کو) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت دے اور عظمت سے اس کی قدر کے ساتھ جو چاہے نسبت دے) ؎

مخواں او را خدا از بہر امر شرع و حفظ دیں دگر ہر وصف میخواہی اندر مدحش املا کن

(یعنی، شریعت کے حکم کے مطابق اور دین کی حفاظت کے خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا مت کہہ، اس کے علاوہ ان کی مدح میں جو خوبی تو چاہے تحریر کر)

سوم: آخرت کے بارے میں وہ تمام خبریں جو انبیا اور رسل صلوات اللہ علیہم اجمعین نے دی ہیں ان پر اعتقاد اور اس اعتقاد میں سب کچھ ان خبروں کا صدق اور راستی ہے اس وجہ سے کہ تغیر و تبدل اور تفصیلات و تاویلات میں غور و خوض کئے بغیر جو صحیح اور واضح ہے وہ وارد ہوا ہے اور تمام اعتقادات کا جامع یہ کلمہ ہے، اٰمَنَّا بِمَا جَاءَ عَنِ اللّٰهِ عَلٰی مُرَادِ اللّٰهِ وَبِمَا جَاءَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰی مُرَادِ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ الْکُمَّلِ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ عَلٰی مُرَادِھِمْ (یعنی: ہم ایمان لائے اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے قصد وارادہ کے مطابق آئی۔ اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ؐ کی مراد پر آئی اور جو کچھ ان کاملین سے جو علم میں پختگی رکھتے ہیں ان کی مراد سے آئی)۔

حصول ایمان اور صحتِ اعتقاد میں اتنا ہی کافی ہے۔ اس کو ایمانِ مجمل کہتے ہیں اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ دین کی ضروریات میں سے جو کچھ بھی ہے اس پر الگ الگ ایمان رکھتے ہیں۔ اس کی تفصیلات اس رسالہ میں جو اس مقالہ کا ضمیمہ ہوگا بیان کریں گے۔

وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ وَھُوَ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَیَھْدِی السَّبِیْلَ

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہ

تمت

Marfat.com

فہرستِ مضامین رسالہ مرج البحرین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
مقدمہ: مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی	۳	علم کلام کی ابتدا	۱۰۶
ایم اے۔ فاضل دیوبند		علم کلام کے فوائد و نقصانات	۱۰۹
افتتاحیہ: از مترجم	۶	وصل ۳: سلامتی کا راستہ فلسفہ سے اجتناب ہے	۱۱۰
مرج البحرین، فارسی متن	۹	عقل کو ذات و صفات کا مجملاً ادراک ہو سکتا ہے	۱۱۲
مرج البحرین: اردو ترجمہ	۹۱	عقل راہِ معرفت میں چراغ کی مانند ہے	۱۱۳
حمد و صلوٰۃ	۹۴	وصل ۴: عقل کی حقیقت اور اس کے	
رسالہ کا موضوع	″	اول مخلوق ہونے کا مطلب	۱۱۴
فرقہ بندی کی پیشینگوئی	۹۴	ذکر و فکر کا فرق	۱۱۷
صحیح راستہ	۹۵	معقول و منقول کی صحیح تطبیق	۱۱۸
اہل قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہئے	″	وصل ۵: نبی کی سچائی کو سمجھنے کے لئے	
کفر و ضلالت کی وضاحت	″	عقل کی نہیں بلکہ ہدایت کی ضرورت ہے	۱۱۹
وصل ۱۔ دنیا کی محبت خطاؤں کا اصلی سبب ہے	۹۷	عقل کا صحیح مصرف	۱۲۰
دورِ رسالت سے بُعد کا نتیجہ	۹۸	وصل ۶: عقل اشیاء کے کنہ و حقیقت کو	
قرآن کریم کی لذت و حلاوت	۹۹	سمجھنے سے قاصر ہے	۱۲۲
آنحضرت ﷺ کے وصال پر صحابہؓ کی کیفیتِ قلب	۱۰۰	دین اسلام نے کس طرح لوگوں کے درجے بلند کئے	۱۲۴
عہدِ رسالت میں غیبت و حضور کا فرق	″	سرورِ کائنات ﷺ کا ارشادِ گرامی	۱۲۶
صحابہؓ کے یقین کی کیفیت	۱۰۳	اسلام سے تعلق با عشق	۱۲۷
وصل ۲: خیر القرون میں اور اس کے بعد		علم بقدرِ استعداد عطا ہوتا ہے	۱۲۸
ایمان و یقین کی حالت	۱۰۴	وصل ۷: نورِ حقیقت دل کی آنکھ سے	
فلسفہ کا مطالعہ ضعفِ ایمان کا سبب بنا	۱۰۵	دیکھا جا سکتا ہے	۱۳۰

عنوان	صفحہ
حضرت غوث الاعظمؒ کے ایک مرید کا واقعہ	۱۳۱
وصل: شرع شریف کی اہمیت	۱۳۳
رسول اللہ اور صحابہؓ کا اتباع ہی نجات کا ذریعہ ہے	"
اہلِ بدعت نورِ ولایت و حقیقت سے محروم ہیں	۱۳۴
وصل: صوفیہ ہی رازِ حقیقت کو صحیح طور پر جانتے ہیں	"
طریقۂ جنیدیہ کی بنا کتاب و سنت ہے	۱۳۶
مشائخ کے شطحیات و ہفوات	۱۳۷
صوفیہ کے احوال	"
احوالِ مشائخ کے بارے میں تین گروہ	۱۳۸
متصوفین اور فقہاء متقشفہ	۱۴۰
راہِ تسلیم اور غلبۂ وجد و حال	"
اربابِ صحو و تمکین	۱۴۱
غلبۂ حال قابلِ اعتبار نہیں	۱۴۲
وصل: مشائخ اور انبیاء کی لغزشوں کا فرق۔	۱۴۴
کوئی ولی نبوت کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔	۱۴۵
انبیاء علیہم السلام کی لغزش	"
حضورؐ کے حوصلہ کی وسعت	۱۴۷
حضورؐ کے سوال کی جامعیت و وسعت	۱۴۸
ایک حدیث کی تشریح	۱۴۹
اسی حدیث کی دوسری تشریحات	۱۵۰
آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ سے کتنا قرب تھا	۱۵۱

عنوان	صفحہ
شارحینِ حدیث کی توجیہات	۱۵۲
اصمعی کی تشریح سب سے زیادہ مناسب ہے،	۱۵۵
صحبتِ نبویؐ اور زبانِ نبوت کا اثر	۱۵۵
حضورؐ کا فیض اولیاء کیلئے خاص اور تمام امت کیلئے عام ہے	۱۵۶
ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوتا ہے	۱۵۷
وصل: مشائخ کی لغزش، حال اور سکر کے غلبہ کے سبب ہے	۱۵۸
شیخ شبلیؒ کا ایک واقعہ	۱۵۹
شیخ شبلیؒ کے سکر کی کیفیت	۱۶۰
شیخ شبلیؒ کی تعظیم کا ایک واقعہ	۱۶۱
شیخ شبلیؒ کا ایک اور واقعہ	۱۶۲
شیخ شبلیؒ کا ایک تیسرا واقعہ	۱۶۳
اربابِ احوال کے نزدیک ان حکایات کی حیثیت	۱۶۴
ابو حمزہ خراسانیؒ کا واقعہ	"
حضرت ذوالنونؒ کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ	۱۶۶
ابوالحسن نوریؒ کے ایثار کا واقعہ	۱۶۸
شیخ نوریؒ کا ایک اور واقعہ	۱۷۰
کسی شیخ کی نفس کشی کا واقعہ	۱۷۱
ایک بزرگ کا مجاہدہ	"
نفس کشی کا ایک اور واقعہ	۱۷۲
اتباعِ نفس کی سزا	"

Marfat.com

عنوان	صفحہ
نفس کے لئے علاج بالضد	۱۷۲
فقہاء کا اعتراض اور اس کا جواب	۱۷۴
حضرت ابولبابہؓ کی پشیمانی کا واقعہ	۱۷۵
صحابہؓ کی سکر و مستی کے واقعات	۱۷۶
وصل ۱۴: مشائخ کا اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالنا	۱۷۷
اسباب کی پہلی اور دوسری قسم	۱۷۸
اسباب کی تیسری قسم	۱۸۰
مؤلف کتاب کے اشعار کا ترجمہ	۱۸۱
وصل ۱۳: وہ باتیں جن میں مشائخ و علماء کا اتفاق ہے	۱۸۲
قاعدہ ۱: فقہ کا حکم عام اور تصوف کا خاص ہے	۱۸۳
قاعدہ ۲: کیا صوفی کا کوئی مذہب نہیں	۱۸۵
قاعدہ ۳: کتاب و سنت کا اتباع ضروری ہے	۱۸۷
قاعدہ ۴: کلام میں اشکال و ابہام کا سبب اور اس کا حکم	۱۸۸
قاعدہ ۵: علم اور وصال کا فرق	۱۸۹

عنوان	صفحہ
قاعدہ ۶: صاحبِ وجد و حال کیلئے احکامِ شرعیہ کی قضا لازم ہے	۱۹۰
قاعدہ ۷: درجۂ کمال پر فائز ہونے کے بعد بھی شریعت کے احکام ساقط نہیں ہوتے	۱۹۲
قاعدہ ۸: انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر شخص میں بشری کمزوری ہوتی ہے	۱۹۴
قاعدہ ۹: کیا فتنہ کے خوف سے ارتکاب جرم کر سکتا ہے؟	۱۹۵
قاعدہ ۱۰: مقصود اصلی حق کی موافقت ہے۔	۲۰۰
قاعدہ ۱۱: الفاظ کی نگہبانی اور معانی کا ضبط دونوں ضروری ہیں	۲۰۳
قاعدہ ۱۲: ہر بات کتاب و سنت کی روشنی میں کی جائے	۲۰۴
قاعدہ ۱۳: اشتباہ کے موقع پر توقف مناسب ہے	۲۰۶
قاعدہ ۱۴: پانچ چیزیں	۲۰۸
قاعدہ ۱۵: صوفیہ کے اقوال سے متعلق کتابوں کے مطالعہ کی شرطیں	۲۱۲
خاتمہ	۲۱۶

Marfat.com

قابلِ قدر کتابیں

تصانیف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

• اثبات النبوۃ: اصل رسالہ عربی زبان میں ہے اسی کے ساتھ مسلسل اردو سلیس ترجمہ ہے
تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۱۱۲ صفحات کاغذ عمدہ کتابت طباعت بہتر قیمت ۱/۵۰

• رسالہ تہلیلیہ: اصل عربی رسالہ اور مقابل صفحہ پر اس کا اردو سلیس ترجمہ۔ یہ رسالہ ان حالات سے متاثر ہو کر لکھا گیا تھا جبکہ اکبری عہد میں کلمہ طیبہ کا غلط استعمال کیا جانے لگا تھا۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۵۸ کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۷۵/

• شرح رباعیات: اصل فارسی مسلسل اس کے بعد مسلسل اردو سلیس ترجمہ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶
صفحات ۱۱۲۔ کاغذ کتابت و طباعت عمدہ قیمت ۱/۵۰

• کوائف شیعہ: فارسی مع اردو ترجمہ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۹۶ صفحات
کاغذ کتابت و طباعت عمدہ قیمت ۱/۶۲

• مبدأ و معاد: فارسی مع اردو ترجمہ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت صفحات
کتابت و طباعت اور کاغذ بہت عمدہ قیمت ..... -/۳

• معارفِ لدنیہ: فارسی مع اردو ترجمہ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات
کتابت و طباعت اور کاغذ بہت عمدہ قیمت ..... -/۳

• مکاشفاتِ عینیہ: فارسی مع اردو ترجمہ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ۱۶۲ صفحات
کتابت و طباعت اور کاغذ عمدہ قیمت ۱/۵۰

• انتخاب مکتوبات: صرف اردو۔ کاغذ معمولی صفحات ۳۳۶ قیمت -/۲

تصانیف حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب مدظلہ

• حیات سعیدیہ: حضرت خواجہ محمد سعید قریشی احمد پوری کی مفصل سوانح۔

• عمدۃ السلوک حصہ اول: مبتدی طالبانِ سلوک کیلئے تصوف کے بیشمار مسائل - ۲/۲۰

• عمدۃ السلوک حصہ دوم: منتہی حضرات کے لئے بہت ضروری ۲/۵۰

• عمدۃ الفقہ حصہ اول: تقطیع کلاں، مشتمل بر کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ

• عمدۃ الفقہ: حصہ دوم۔ تقطیع کلاں۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ضخامت ۵۶ صفحات -/۱۵

• عمدۃ الفقہ حصہ سوم: تقطیع کلاں، مشتمل بر کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج

• گلدستہ مناجات: عربی، فارسی اور اردو مناجاتوں کا مجموعہ . . . ۳۸ /-

دیگر رسائل

• انتخاب مکتوبات: اردو ترجمہ۔ کاغذ معمولی صفحات ۳۳۶ . . ۲/-

• تحقیقی جائزہ: اردو۔ کاغذ معمولی صفحات ۹۸ - ۷۵/-

• تحفہ ابراہیمیہ: حضرت حاجی دوست محمد قندھاری کے مکتوبات کا اردو ترجمہ -/۴

• آگاہی سید امیر کلال: (فارسی) ۱۲۰ صفحات۔ ۱/۲۵

• ضیاء القرأت: حضرت مولانا قاری ضیاء الدین الہ آبادی کا تجوید و قرأت پر رسالہ -/۵۰

• ہدایت الطالبین: حضرت مولانا شاہ ابو سعید دہلوی رح کا مشہور رسالہ مع اردو ترجمہ ۲/۵۰

ملنے کا پتہ

برکت اللہ پاکستان چوک۔ رقیہ منزل۔ کراچی

محمد ابراہیم بن محمد فیض بخش ذخیرہ لاہور

Marfat.com